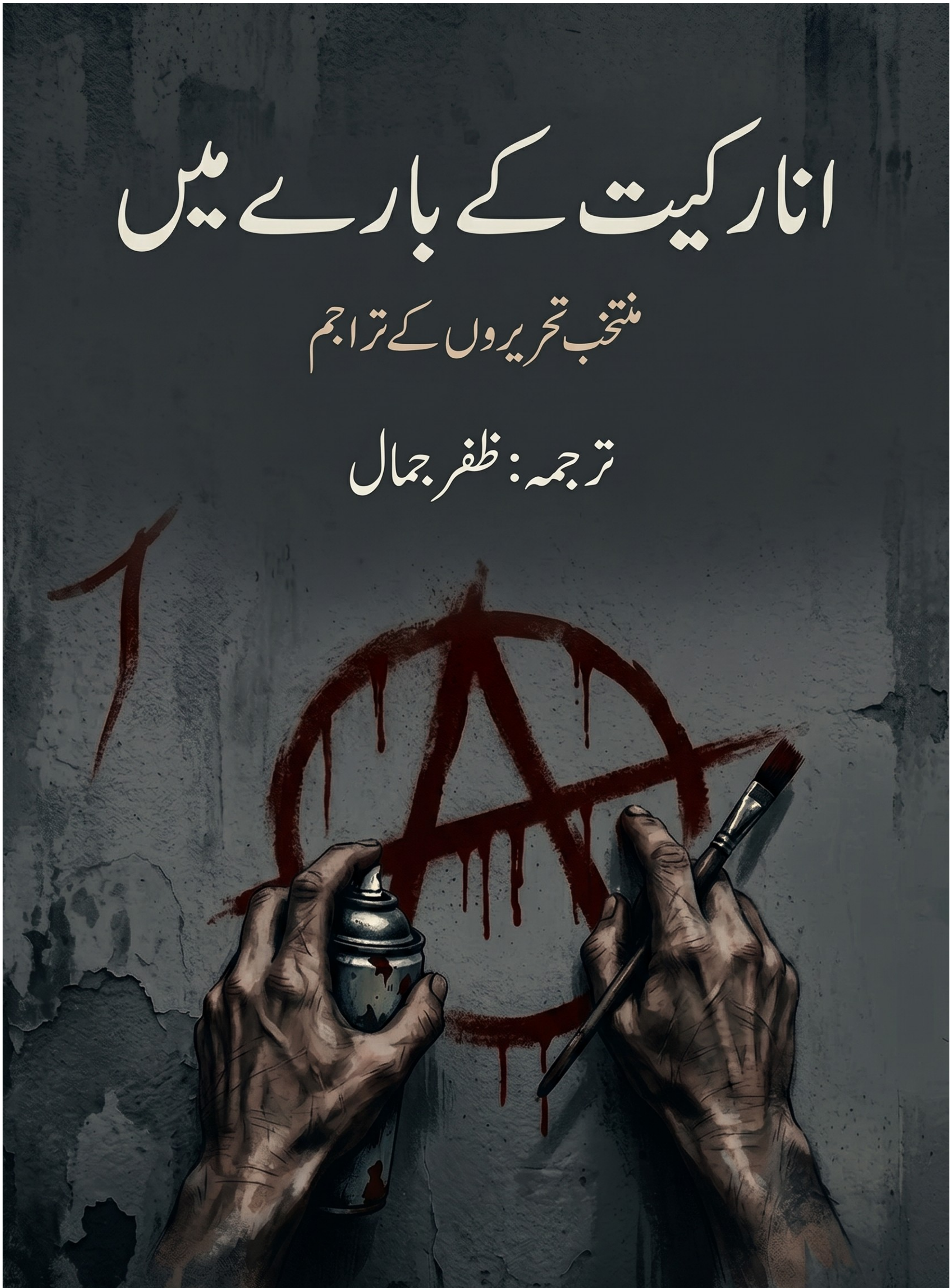

انارکیت کے بارے میں
منتخب تحریروں کے تراجم
ترجمہ: ظفر جمال

فہرست

عنوان مصنف

چند تعارفی کلمات ظفر جمال---3

کیا آپ ایک انارکسٹ ہیں؟ڈیوڈ گریبر---4

انارکیت کے بارے میں نکولس والٹر---9

کمیونسٹ انارکزم پیٹر کرپوٹکن---31

دنیا کے اختتام پر انارکیت ڈیرن ایلن--44

انارکیت کا بدھ متی تصور ایان میس---56

تعارفی کلمات

یہ مجموعہ انارکیت پر پانچ تحریروں کے تراجم پر مشتمل ہے، جن میں پیٹر کرپوٹکن کی تحریر 1887ء میں شائع ہوئی تھی، جبکہ ڈیرن ایلن کا مضمون 2021ء میں منظرِ عام پر آنے والی ایک کتاب سے منتخب کیا گیا ہے۔تاہم اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ یہ تحریریں کسی بھی اعتبار سے انارکسٹ فکر کے ارتقا کی مکمل عکاس ہیں یا اپنے اپنے ادوار کی نمائندہ دستاویزات قرار دی جاسکتی ہیں۔ یہ مضامین مختلف اوقات میں انارکسٹ قارئین کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیے گئے تھے، چنانچہ انتخاب کا پیمانہ تحریروں سے ماورا تلاش نہیں کیا جاسکتا۔البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ تحریریں اپنے دور کے غالب مسائل کو زیرِ بحث لاتی ہیں یا کم از کم انارکیت کے کسی نہ کسی پہلو کا احاطہ ضرور کرتی ہیں۔

مثال کے طور پر، **"انارکسٹ کمیونزم"** انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے انقلابی موضوعات کا احاطہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔اسی طرح نکولس والٹر کا کتابچہ 1969ء کی طلبہ تحریک کے اختتام پر تحریر ہوا تھا، جس میں والٹر نے اس دور تک کے تقریباً تمام نمائندہ انارکسٹ مباحث اور جدوجہد کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری طرف **ڈیرن ایلن** کی تحریر اکیسویں صدی کے انقلابی مسائل کو کو روایتی اصطلاحوں (سرمایہ داری، طبقات یا انقلاب) میں تقسیم نہیں کرتی، بلکہ صنعتی کلچر کے کلی تصور میں جبر کی جڑیں تلاش کرتی ہے۔

اگرچہ انارکسٹ عموماً انیسویں صدی کی فکری روح کے مطابق 'لاادری' ہوتے ہیں، مگر یہاں **بدھ متی انارکیت** پر بھی ایک تحریر شامل کی گئی ہے تاکہ اس فکر کے غیر مغربی اور متنوع پہلوؤں کو سامنے لایا جاسکے۔اسی طرح ڈیوڈ گریبر کی تحریر قاری کو ایک نہایت بنیادی مگر مسلسل زندہ سوال کے روبرو لا کھڑا کرتی ہے: آخر انارکیت کسے کہتے ہیں؟ ایک اعتبار سے یہ خود انارکیت پر بھی تنقید ہے کہ تقریباً ڈیڑھ صدی کے طویل سفر کے باوجود ہمیں اب بھی قارئین کے ساتھ مکالمے کا آغاز بنیادی تعارف سے کرنا پڑتا ہے۔

اور حرفِ آخر کے طور پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انارکسٹ تحریروں میں عموماً اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ انارکیت کی تفہیم کے لیے ایک ہمدرد اور کشادہ ذہن قاری درکار ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ''انارکیت'' کے لفظ کے ساتھ ایسے گہرے تعصبات وابستہ کر دیے گئے ہیں کہ محض اس کا نام سنتے ہی ذہن میں منفی تصورات ابھرنے لگتے ہیں۔ یہ تراجم انہی تعصبات سے آگے بڑھنے کی ایک مختصر سی کوشش ہیں۔امید ہے کہ قارئین اس کاوش کو اسی جذبے کے ساتھ قبول کریں گے جس خلوص کے ساتھ اسے پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اِن تحریروں کی ترتیب میں کسی خاص زمانی یا فکری پہلو کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا، البتہ اس امر کا اہتمام ضرور کیا گیا ہے کہ ہر تحریر دوسری کی تفہیم میں معاون اور مدد ثابت ہو۔

راقم اس کے علاوہ چار مزید کتابیں بھی ترجمہ کر چکا ہے اور بحیثیتِ ماہرِ نفسیات ایک کتاب ''نرگسیت کا شکنجہ'' کا مصنف بھی ہے، جو عمران خان کی شخصیت کے نفسیاتی تجزیے پر مشتمل ایک تحقیقی مطالعہ ہے۔

ایک انارکسٹ مترجم
ٹرائی کون ویلج لاہور

پہلا ترجمہ

کیا آپ ایک انارکسٹ ہیں؟
جواب آپ کو حیران کر سکتا ہے

مصنف: ڈیوڈ گریبر

تعارفی نوٹ

ڈیوڈ گریبر عصرِ حاضر کے نمایاں انارکسٹ مفکر، ماہرِ بشریات اور سیاسی کارکن تھے۔ وہ 12 فروری 1961 کو نیویارک میں پیدا ہوئے اور شکاگو یونیورسٹی سے علمِ بشریات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اپنی علمی اور عملی زندگی میں وہ انارکسٹ فکر اور عوامی تحریکوں سے گہرے طور پر وابستہ رہے۔ 2 ستمبر 2020 کو وینس، اٹلی میں ان کا اچانک انتقال ہوا، جو انارکسٹ تحریک اور علمی دنیا — دونوں کے لیے ایک بڑا نقصان تھا۔ ان کی وفات سے ایک ایسی توانا فکری آواز خاموش ہو گئی جو نظریے اور عمل کو یکجا کرنے کی نادر صلاحیت رکھتی تھی۔

ان کے نظریات ریاست، سرمایہ داری اور بیوروکریسی پر تنقید، اور باہمی تعاون و خود مختاری کے اثبات پر مبنی تھے۔ انہوں نے انارکیت کو محض ایک نظری تجرید کے بجائے ایک قابلِ عمل سماجی امکان کے طور پر پیش کیا۔ ان کی معروف کتاب قرض: پہلے پانچ ہزار سال میں سود اور قرض کے نظام کو انسانی جبر اور معاشی غلامی کے ایک تاریخی ہتھیار کے طور پر تحلیل کیا گیا ہے۔ اپنی علمی خدمات کے باعث وہ غیر انارکسٹ حلقوں میں بھی غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔

گریبر. کی سیاسی وابستگی صرف نظری اظہار تک محدود نہ تھی بلکہ وہ عملی تحریکوں میں بھی سرگرم رہے۔ وہ ''وال اسٹریٹ پر قبضہ کرو'' تحریک کے اہم فکری محرکین میں شمار ہوتے ہیں اور ''ہم 99 فیصد ہیں'' جیسے مشہور نعرے کی تشکیل میں ان کا نمایاں کردار تھا۔ اسی طرح انہوں نے شمالی شام میں ''روجاوا'' کے انقلابی تجربے کی بھرپور حمایت کی۔ واضح اور تنقیدی مؤقف کے باعث انہیں ادارہ جاتی دباؤ اور پیشہ ورانہ رکاوٹوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، مگر وہ اپنی فکری و عملی جدوجہد پر ثابت قدم رہے۔

زیرِ نظر مضمون انارکیت کا مختصر مگر جامع تعارف ہے۔ اس میں گریبر یہ بصیرت افروز نکتہ اٹھاتے ہیں کہ انارکیت کوئی اجنبی یا محض تجریدی فلسفہ نہیں، بلکہ ہماری روزمرہ زندگی کے انہی لمحوں میں موجود ہے جہاں انسان بغیر کسی صلے، جبر یا قانونی دباؤ کے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ وہ نہایت سادہ مثالوں کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ انسانی فطرت اپنی اصل میں باہمی تعاون، اشتراک اور ہمدردی پر قائم ہے، اور اگر ریاستی جبر اور بیوروکریسی کی غیر ضروری رکاوٹیں ہٹا دی جائیں تو انسان ایک زیادہ آزاد، منصفانہ اور بہتر معاشرہ تشکیل دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں یہ مضمون محض ایک سیاسی نظریے کا تعارف نہیں، بلکہ انسان کی اجتماعی قوت، تخلیقی صلاحیت اور باہمی اعتماد پر ایک گہرا اور امید افزا اظہار بھی ہے۔

ڈیوڈ گریبر کا یہ مضمون سنہ 2000 میں منظرِ عام پر آیا تھا۔

مترجم

کیاآپ ایک انارکسٹ ہیں؟

اگر پرُہجوم بس میں سواری کے لیے قطار بندی ہو، کیاآپ اپنی باری کاانتظار کرتے ہیں اور کہنیوں سے اپنا راستہ بنانے سے گریز کرتے ہیں جبکہ وہاں پولیس بھی موجود نہ ہو؟

کیاآپ ایسے کلب یاکھیلوں کی ٹیم یاکسی بھی دوسری رضاکارانہ تنظیم کے ممبر ہیں جہاں فیصلے ایک لیڈر کی طرف سے لاگو نہیں ہوتے بلکہ عمومی اتفاق رائے کی بنیاد پر طے کیے جاتے ہیں؟

کیاآپ مانتے ہیں کہ بیشتر سیاست دان خود غرض، اناپرست جانور ہیں جو درحقیقت عوامی مفاد میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے؟ کیاآپ کویقین ہے کہ ہم ایک ایسے معاشی نظام میں رہتے ہیں جو احمقانہ اور غیر منصفانہ ہے؟

کیاآپ ان باتوں پر پختہ یقین رکھتے ہیں جو آپ اپنے بچوں کو بتاتے ہیں (یاآپ کے والدین نے آپ کو بتائیں)؟

-کیاآپ کویقین ہے کہ انسان بنیادی طور بے ایمان اور شیطان، یاپھر کچھ قسم کے لوگ (عورتیں، سیاہ فام، عام قسم کے لوگ جوامیر نہیں ہیں یااعلی تعلیم یافتہ نہیں ہوتے) کم تر درجے کے لوگ ہیں اور برتر لوگوں کی حکمرانی ان کامقدر ہے؟

عین ممکن ہے کہ آپ نے پہلے ہی سے کچھ سن رکھاہو کہ انارکسٹ کون لوگ ہیں اور ان کے نظریات کیاہوتے ہیں؟امکان یہی ہے کہ قریباًوہ سب باتیں جوآپ نے سن رکھی ہیں وہ بکواس ہوں۔زیادہ تر لوگوں کاخیال ہے کہ انارکسٹ تشدد، انتشار اور توڑ پھوڑ کے حامی ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ ہر قسم کی ترتیب و تنظیم کے خلاف ہیں۔۔۔جنونی معدومیت پسند ہیں جو ہر شے کو تباہ وبرباد کرنے پر تلے ہوئے ہوں۔حقیقت میں سچ سے بعید کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انارکسٹ وہ لوگ ہیں جو صرف یہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان مجبور کیے بناہی ایک معقول طرز عمل اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اپنی اصل میں یہ انتہائی سادہ تصور ہے۔تاہم یہی (تصور) ہے جسے اُمرانے اور طاقت ور لوگوں نے ہمیشہ انتہائی خطرناک سمجھاہے۔

اپنے سادہ ترین معنوں میں انارکسٹ تصورات دوبنیادی مفروضوں کو نمایاں کرتے ہیں۔پہلا یہ کہ عام طور پر انسان اتنے ہی معقول اور مہذب ہو سکتے ہیں جتنی اُن کو ہونے کی اجازت ہوتی ہے، خود کو اور اپنی برادریوں کو ہدایات کہ۔۔۔منظم کیسے ہوناہے۔۔کی ضرورت کے بغیر (اپنے طور پر) منظم کر سکتے ہیں۔دوسرا، طاقت کرپٹ کرتی ہے۔۔۔سب سے اہم، انارکیت صرف معقولیت کے سادہ اصول جن کے ذریعے ہم زندگی گزارتے ہیں اپنانے کی ہمت اور انہیں، اُن کے منطقی انجام تک اختیار کرنے کانام ہے۔یہ قدرے عجیب دکھائی دے گا لیکن بیشتر معاملات میں آپ شاید پہلے ہی سے انارکسٹ ہوں۔۔۔آپ کو صرف اس کاادراک نہیں ہوتا۔

-آیئے روزمرہ کی کچھ مثالوں سے ابتدا کرتے ہیں.

اگر پرُہجوم بس میں سواری کے لیے قطار بندی ہو، کیاآپ اپنی باری کاانتظار کرتے ہیں اور کہنیوں سے اپنا راستہ بنانے سے احتراز کرتے ہیں جبکہ وہاں پولیس بھی موجود نہ ہو؟

اگر آپ نے "ہاں" میں جواب دیاتو آپ ایک انارکسٹ کی طرح پیش آتے ہیں۔انارکیت کاسب سے بنیادی اصول خود-تنظیمی ہے: یہ مفروضہ کہ انسانوں کوایک دوسرے کے ساتھ معقول افہام وتفہیم تک پہنچنے کے لیے، یا ایک دوسرے سے عزت اور احترام کا برتاؤ کرنے کے لیے۔۔۔قانونی چارہ جوئی سے دھمکانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے طور پر معقول طریقے سے (زندگی کے) معاملات کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔اگر وہ قوانین اور پولیس کولازمی سمجھتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ انہیں یقین نہیں ہوتا کہ دوسرے لوگ بھی اُن کی طرح (معقول طریقے سے پیش آنے کے) اہل ہو سکتے ہیں؟ آپ اگر غور کریں توکیادوسرے لوگ بھی آپ کے بارے میں بالکل اسی طرح نہیں سوچتے ہوں گے؟ انارکسٹوں کی دلیل ہے کہ تقریباًتمام سماج دشمن سرگرمیاں جو ہمیں اس سوچ کی طرف مائل کرتیں ہیں کہ زندگی پر کنٹرول کے لیے فوج، پولیس، جیل اور حکومت لازمی ہیں، یہ (سرگرمیاں) منظم عدم مساوات اور ناانصافیوں کی وجہ سے ہیں جو فوج، پولیس، جیل اور حکومتوں نے پیدا کردہ ہیں۔یہ سب ایک شیطانی چکر ہے۔لوگ اگر اس برتاو کے عادی ہو جائیں کہ اُن کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی تو وہ غصیلے، مایوس حتہ کہ متشدد بھی ہو سکتے ہیں۔۔۔اور جس سے طاقت پر اختیار رکھنے والوں کو یقیناً یہ کہنے کاآسان موقع میسر آجاتاہے کہ ان لوگوں کے خیالات کی قطعاًکوئی اہمیت نہیں ہے۔تاہم ایک بار انہیں احساس ہو جائے کہ ان کے خیالات بھی اسی طرح اہم ہیں جیسے کسی بھی دوسرے کے ہیں تو وہ حیران کن حد تک سمجھنے کی طرف مائل نظر آئیں گے۔کہانی کو مختصر کرتے ہوئے: انارکسٹ سمجھتے ہیں کہ زیادہ تر یہ خود طاقت ااور اس طاقت کے اثرات ہیں جو لوگوں کواحمق اور غیر ذمہ دار انسانوں میں تبدیل کرتے ہیں۔

کیاآپ ایسے کلب، کھیلوں کی ٹیم یاکسی بھی دوسری رضاکارانہ تنظیم کے ممبر ہیں جہاں فیصلے ایک لیڈر کی طرف سے لاگو نہیں ہوتے بلکہ عمومی اتفاق رائے کی بنیاد پر طے کیے جاتے ہیں؟

.جواب اگر "ہاں" میں ہے تو آپ ایک ایسی تنظیم سے وابستہ ہیں جو انارکسٹ اصولوں پر کام کر رہی ہے۔۔۔انارکسٹوں کاایک اور بنیادی اصول رضاکارانہ ایسوسی ایشن کی آزادی ہے۔یہ عام زندگی پر جمہوری اصولوں کے اطلاق کاسیدھاسادامعاملہ ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ انارکسٹ یقین رکھتے ہیں کہ اس معاشرے کاحصول ممکن ہوناچاہیے جس میں تمام تر امور کوانہی خطوط پر استوار کیا جاسکے، ہر گروپ کی بنیاد اس کے ممبران کی آزادانہ رائے پر ہونی چاہیے، چنانچہ اوپر سے نیچے (ٹاپ-ڈاون) کی طرف عسکری تنظیم جیسے تمام ادارے مثلا "افواج، یاافسر شاہی یابڑی کارپوریشنوں۔۔۔یعنی کمانڈ کی زنجیر پر منحصر تنظیموں کی مزید گنجائش نہیں رہے گی۔ آپ شاید یقین نہیں رکھتے کہ ایساممکن بھی ہے، یاشاید آپ کویقین ہو۔ہر بار، جب آپ دھمکیوں کی بجائے باہمی اتفاق سے ایک معاہدے پر پہنچتے ہیں، جب کسی دوسرے فرد کے ساتھ ایک رضاکارانہ سمجھوتہ کرتے ہیں، ایک مفاہمت پر پہنچتے ہیں، یا پھر دوسرے فرد کی خاص صورت حال یاضرورتوں کاخیال رکھتے ہوئے سمجھوتے کافیصلہ کرتے ہیں، آپ بطور ایک انارکسٹ کاعمل کر رہے ہوتے ہیں۔۔۔بھلے آپکو اس کااحساس تک بھی نہ ہو۔

انارکیت محض وہ طریقہ کار ہے جسے لوگ اس وقت اختیار کرتے ہیں جب اپنے انتخاب کے مطابق عمل کرنے کے لیے آزاد ہوں، یا جب وہ دوسروں کے ساتھ ڈیل کریں جو خود بھی برابری کی سطح پر آزاد ہوں۔۔۔ چنانچہ وہ دوسروں کی طرف (اپنی) ناگزیر ذمہ داری سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ اس سے ایک اور اہم ترین نکتہ پیدا ہوتا ہے: لوگ معقول اور ہمدرد ہو سکتے ہیں جب وہ برابر یا مساوی درجے پر معاملات (ڈیل) کر رہے ہوں تاہم انسانی فطرت کچھ ایسی ہے کہ اگر اسے دوسروں پر اختیار دے دیا جائے تو اُس پر کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی ایک کو اس طرح کا اختیار دیں، وہ متواتر کسی نہ کسی طریقے سے اس کا غلط استعمال کرتا رہے گا۔

کیا آپ مانتے ہیں کہ بیشتر سیاست دان خود غرض، انا پرست جانور ہیں حقیقت میں جو عوامی مفاد قطعاً دلچسپی نہیں رکھتے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک ایسے معاشی نظام میں رہتے ہیں جو احمقانہ اور غیر منصفانہ ہے؟

. اگر آپ نے جواب ہاں میں دیا تو آپ موجودہ سماج پر انارکسٹ تنقید کو درست مانیں گے۔۔۔ کم از کم اس کے وسیع تر معنوں میں۔ انارکسٹ یقین رکھتے ہیں کہ طاقت کرپٹ کرتی ہے اور جو اپنی ساری زندگی اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، وہ آخری لوگ ہونے چاہیے جن کو یہ طاقت ملے۔ انارکسٹوں کا خیال ہے کہ ہمارا موجودہ معاشی نظام ہمدرد اور مہذب بنانے کی بجائے، لوگوں کو خود غرضانہ اور بے اصول طرز عمل پر انعام سے نوازتا ہے۔ بیشتر لوگ اسی طرح محسوس کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ یہ آگاہی نہیں رکھتے کہ اس حوالے سے کچھ کرنا ممکن بھی ہے۔۔۔ اور یہ وہ نکتہ ہے جس پر طاقت وروں کے وفادار غلام ہمیشہ اصرار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔۔۔ یا کسی بھی ایسی بات پر جو ان معاملات کو مزید بگاڑے بغیر ختم نہ ہو۔

تاہم اگر یہ سب سچ نہ ہو۔۔۔ تو پھر کیا؟

اور کیا حقیقت میں ان پر یقین کرنے کی کوئی وجہ ہے؟ آپ عملی طور جب ان کو پرکھتے ہیں تو بیشتر عمومی پیشین گویاں، مکمل طور پر باطل ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ ریاستوں یا سرمایہ داری کے بغیر انجام کیا ہوگا؟۔ ہزاروں سال تک انسان حکومتوں کے بغیر رہتے رہے ہیں۔ دنیا کے کئی حصوں میں آج بھی لوگ حکومتی کنٹرول سے باہر زندگیاں گزار رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مارتے نہیں ہیں۔ زیادہ تر وہ اپنی زندگیاں اسی طرح سے بسر کرتے ہیں جیسے کوئی دوسرا کرے گا۔ بلاشبہ ایک پیچیدہ، شہری، ٹیکنیکی سماج میں یہ تمام معاملات زیادہ پیچیدہ ہوں گے: مگر ٹکنالوجی ان تمام مسائل کا حل بہت آسان کر سکتی ہے۔ دراصل ابھی ہم نے یہ تک بھی سوچنا شروع نہیں کیا کہ اگر ٹیکنالوجی کو انسانی ضروریات کے مطابق ڈھالا جائے تو ہماری زندگی کی ممکنا شکل کیا ہو سکتی ہے۔ ایک فعال معاشرہ قائم رکھنے کے لیے ہمیں لازماً کتنے گھنٹے کام کرنا پڑے گا۔۔۔ یعنی اگر ہم ٹیلی مارکیٹنگ، وکیل، جیل گارڈ، مالیاتی تجزیہ کار، ماہرین تعلقات عامہ، افسر شاہی اور سیاست دانوں جیسے بے مصرف اور تخریبی پیشوں سے چھٹکارا پالیں اور بہترین سائنسی ذہنوں کو خلائی ہتھیاروں کی تیاری یا سٹاک مارکیٹ سسٹم جیسے کاموں سے ہٹا کر کان کنی جیسے خطرناک یا باتھ روم کی صفائی جیسے ناپسندیدہ کام کو مشینی کرنے کی طرف لگا دیں اور باقی ماندہ کام سب کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیں؟ دن کے پانچ گھنٹے؟ چار گھنٹے؟ تین؟ دو؟ کوئی نہیں جانتا کیونکہ کوئی بھی اس طرح کے سوال نہیں کرتا۔ انارکسٹ سمجھتے ہیں کہ یہ بنیادی سوالات ہیں جو ہمیں پوچھنے چاہیں؟

کیا آپ کا ان باتوں کو سچ سمجھتے ہیں جو آپ اپنے بچوں کو بتاتے ہیں (یا آپ کے والدین نے آپ کو بتائیں)؟

"اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ان کی ابتدا کس نے کی۔" دو غلط ایک صحیح نہیں بناتیں۔""اپنا پیدا کردہ انتشار خود سمیٹو۔""دوسروں کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرو جو۔۔۔""لوگوں سے کمینگی کا مظاہرہ محض اس لیے نہ کرو چونکہ وہ مختلف ہوتے ہیں۔" شاید ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اپنے بچوں کو درست اور غلط کی تمیز سکھاتے وقت ہم کہیں ان سے جھوٹ تو نہیں بول رہے ہوتے؟ یا پھر کیا ہم اپنے مفروضوں کو سنجیدہ سمجھنے کے تیار ہیں؟ کیونکہ اگر آپ ان اخلاقی اصولوں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچانے کی کوشش کریں تو آپ انارکیت کے در پر دستک دے رہے ہوں گے۔

اسی اصول کو لیں کہ "دو غلط ایک "درست" نہیں بناتیں۔" اگر واقعی میں آپ اسے سنجیدگی سے لیں تو صرف اکیلا یہی فوجداری نظامِ انصاف اور جنگوں کی ساری بنیادیں ہلا کر رکھ دے گا۔ ساجھے داری/اشتراک کے بارے میں اسی طرح سے ہے: ہم ہر وقت بچوں کو سکھا رہے ہوتے ہیں کہ انہیں ساجھے داری سیکھنی چاہیے، ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے؛ پھر ہمیں حقیقی دنیا سے واسطہ پڑ جاتا ہے جہاں ہم فرض کر لیتے ہیں ہر کوئی فطرتاً خود غرض اور مقابلہ باز ہے۔ مگر ایک انارکسٹ نشاندھی کرے گا کہ درحقیقت سچ وہی ہے جو ہم اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں۔ انسانی تاریخ کی تقریباً ہر قابل قدر عظیم ترین کامیابی، ہر وہ دریافت یا کارنامہ جس نے ہماری زندگیوں کو بہتر بنایا، زیادہ تر تعاون اور باہمی امداد پر ہی منحصر رہی ہے؛ اب بھی، ہم میں سے بیشتر لوگ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ، خود پر خرچ کرنے کی بجائے اپنے دوستوں یا بچوں پر خرچ کرتے ہیں؛ اور جبکہ یہ امکان نہیں ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مقابلہ باز لوگ رہیں گے، کوئی وجہ نہیں ہے کہ معاشرے کی بنیاد اس رویے کی حوصلہ افزائی پر کیونکر رکھنی پڑے، لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی کے لیے مقابلہ میں الجھائے رکھنے کا تو ذکر ہی چھوڑ دیں، جس سے صرف طاقت ور لوگوں کے مفادات پورے ہوتے ہیں اور جن کی خواہش ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خوف میں اپنی زندگیاں گزار دیں۔ یہی وجہ ہے انارکسٹ صرف آزاد ایسوسی ایشن پر ہی نہیں بلکہ امداد باہمی پر مبنی معاشرہ بھی چاہتے ہیں۔ بیشتر بچے واقعتاً انارکسٹ اخلاقیات پر یقین رکھتے ہوئے ہی بڑے ہوتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ انہیں ادراک ہوتا ہے کہ بالغوں کی دنیا اس نہج پر کام نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے باغی یا پھر تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں، حتہ کہ خودکشی کا رجحان رکھنے والے بالغ۔۔۔ آخر کار تلخ اور کنارہ کش نوجوان؛ ان کی واحد ڈھارس اپنے بچوں کی پرورش کرنے اور پھر ان کے سامنے یہ دکھاوا کرنے کی صلاحیت ہے کہ دنیا منصفانہ جگہ ہے۔ تاہم کیا حرج ہے کہ اگر ہم ایسی دنیا کی تعمیر واقعتاً شروع کر سکیں جس کی تشکیل کم از کم انصاف کے اصولوں پر ہوئی تھی۔؟ اپنے بچوں کے لیے کیا یہ ایک عظیم ترین تحفہ نہیں ہے جو ممکنا طور پر کوئی دے سکتا ہے؟

کیا آپ کو یقین ہے کہ انسان بنیادی طور بے ایمان اور شیطان، یا پھر کچھ قسم کے لوگ عورتیں، سیاہ فام، عام قسم کے لوگ جو امیر نہیں ہیں یا اعلی تعلیم یافتہ نہیں ہوتے) کم تر نوع کے لوگ ہیں اور ان کے مقدر میں برتر لوگوں کی حکمرانی ہے؟

اگر آپ نے ہاں میں جواب دیا تو بظاہر آ آپ کسی بھی صورت میں انارکسٹ نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر آپ نے جواب "نہیں" میں دیا تو عین ممکن ہے کہ نوے فیصد انارکسٹ اصولوں کو آپ پہلے ہی مان چکے ہوں گے اور زیادہ تر اپنی زندگی ان اصولوں کے مطابق گزار رہے ہیں۔ ہر بار جب دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی اور توقیر کے ساتھ پیش آتے ہوں، آپ ایک انارکسٹ ہوتے ہیں۔ جب بھی آپ دوسروں کے ساتھ اپنے اختلافات، ہر فرد کو سنتے ہوئے کہ اسے کیا کہنا ہے، ایک معقول سمجھوتے کی شکل میں حل کرتے ہیں، بجائے کسی ایک فرد کو ہر دوسرے کے لیے فیصلے کی اجازت دیتے ہوئے۔۔۔ تو بھی آپ ایک انارکسٹ کے طور پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کو جب بھی موقع

ملے کہ آپ کسی کو کچھ کرنے پر مجبور کر سکیں، مگر اس کے بجائے آپ اس کی عقل یا حسِ انصاف کو اپیل کرنے کا فیصلہ کریں، آپ ایک انارکسٹ ہوتے ہیں۔ ہر اس موقع پر بھی جب اپنے دوست کے ساتھ کچھ سانجھا کر رہے ہوں تو بھی یہی بات صادق آتی ہے یا فیصلہ کرتے ہیں کہ کھانا کون پکانے جا رہا ہے، یا پھر مساوی برتاو کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ بھی کرتے ہیں۔

یہاں آپ اعتراض کر سکتے ہیں کہ لوگوں کے مختصر گروہوں کے درمیان معاملات (ڈیل) کرنے کے لیے یہ اچھا اور بہتر طریقہ کار ہے لیکن کسی شہر یا ملک کا انتظام کرنا، ایک بالکل مختلف معاملہ ہے۔ اور یقینا" یہ اہم بات ہے۔ آپ اگر معاشرے میں عدم۔ مرکزیت کا نظام بھی متعارف کروا دیں اور چھوٹی کمیونٹی کے ہاتھوں میں جتنی طاقت چاہیں دے بھی دیں، تو بھی لاتعداد معاملات ہوں گے جنہیں باہم مربوط کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، ریلوے چلانے سے لیکر میڈیکل تحقیق کے مقاصد متعین کرنے تک۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ کوئی چیز پیچیدہ ہے، یہ مراد نہیں ہے کہ اسے جمہوری طریقے سے حل کرنے کا کوئی طریقہ بھی موجود نہیں۔ یہ محض ایک پیچیدہ معاملہ ہو گا۔ درحقیقت انارکسٹوں کے پاس ہر طرح کے تصورات اور ویژن ہے کہ ایک پیچیدہ معاشرہ خود کو کس طرح رواں دواں رکھ سکتا ہے۔ اِن کی وضاحت اس مختصر تعارفی کتابچے کے دائرہ کار سے باہر ہو جائے گی۔ اول، یہ کہنا کافی ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد نے ایسے ماڈل پیش کرنے میں بیش بہا وقت صرف کیا ہے کہ ایک حقیقی جمہوری اور صحت مند معاشرہ کس طرح فعال بن سکتا ہے۔ دوسرا، اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ کوئی انارکسٹ ایک مکمل بلیو پرنٹ رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آخری بات جو ہم چاہتے ہیں وہ کسی طرح بھی سماج پر پہلے سے تیار شدہ ماڈل مسلط کرنا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم شاید اُن میں سے آدھے مسائل کا بھی تصور نہیں کر سکتے جو ایک جمہوری معاشرہ تشکیل دیتے وقت ہمیں درپیش ہوں گے؛ اس کے باوجود ہم پُراعتماد ہیں کہ انسانی فطانت، جیسی کہ وہ ہے، کی بنا پر اس طرح کے مسائل ہمیشہ حل کیے جا سکتے ہیں، جب تک یہ ہمارے بنیادی اصولوں کی روح کے مطابق ہے۔۔۔ جو کہ اپنے حتمی تجزیے میں۔۔۔ صرف انسان کی بنیادی شائستگی کے اصول ہیں۔

دوسرا ترجمہ

انارکیت کے بارے میں

مصنف: نکولس والٹر

فہرست

ابتدائ- نکولس والٹر

تعارف- ظفر جمال

انارکسٹوں کے خیالات---14

آزاد خیالی اور سوشلزم--14

جمہوریت اور نمائندگی--15

ریاست اور طبقات--15

تنظیم اور افسر صور تحال---16

جائیداد--17

خدا اور چرچ--17

جنگ اور تشدد--18

فرد اور معاشرہ--18

انارکسٹوں کے اختلافات**---20**

فلسفیانہ. انارکزم--20

انفرادیت پسندی، انانیت پسندی---20

باہمیت اور وفاقیت--21

اجتماعیت-پسندی، کمیونزم سنڈیکلیت. --21

انارکسٹ کیا چاہتے ہیں---23

خود مختار افراد---23

آزاد معاشرہ--23

کام--24

ضروریات اور یعئسی ات---24

فلاحی معاشرہ--25

کثرتیت--25

انقلاب اور اصلاح---26

انارکسٹ کیا کرتے ہیں---27

تنظیم اور پروپیگنڈہ--27

جدوجہد---28

ابتدائیہ:

انارکیت کی تاریخ اگر باکونن کی انٹر نیشنل اول میں شمولیت سے شروع کی جائے تو جدید انا کسٹ تحریک کو آج پورے سو برس گزر چکے ہیں۔اس ملک میں بھی پچھلے **نو برس** سے مستقل انارکسٹ تحریک جاری ہے۔اٹھارہ سو چھیاسی سے ابھی تک آزاد پریس بھی قائم ہے۔ایک طرف یہ ماضی توانائی اور حوصلے کا سرچشمہ ہے تو دوسری طرف بے دلی اور کم ہمتی کی وجہ بھی ہے خصوصا" اگر تحریری مواد کے حوالے جائزہ جائے۔ماضی کا انارکسٹ لٹریچر حال پر غلبہ پاچکا ہے اور مستقبل کے لیے لٹریچر کی تخلیق کے راستے میں ایک رکاوٹ بن کر کھڑا ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے پیش رو انارکسٹوں نے بے بہا کام کیا ہے لیکن بیشتر اب دستیاب نہیں ہے اور باقی مانہ ہ موجودہ دور سے مطابقت نہیں رکھتا۔مزید برآں انگریزی میں شائع ہونے والی زیادہ تر تحریریں دوسری زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں

ایسا انارکسٹ لیٹریچر بہت کم ہے جسے ہم اپنا کہہ سکیں۔چنانچہ یہ تحریر ایک تازہ بیانیہ کی کوشش ہے اور خاص کر ساٹھ کی دہائی کے اختتام پر حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے، برطانیہ میں قارئین کے لئیے تحریر کیا گیا ہے،ایک ایسے مقام اور موقع پر جب انارکیت میں دلچسپی کا احیا بھی ہو رہا ہو لیکن اس کے بارے میں ایک فرقہ بند دلیل کی شکل میں نہیں بلکہ مستقبل کے بارے میں عملی منصوبہ بندی کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔

یہ بیان بنیادی طور پر ایک انفرادی نکتہ نظر ہے کیونکہ انارکی کا اہم جزو بھی یہی نکتہ ہے کہ انارکی انفرادی رائے پر انحصار کرتی ہے۔اس کا مقصد انارکیت میں غالب نقطہ نظر کا جائزہ لینا اور اسے کسی بھی تعصب کے بغیر بیان کرنا ہے۔اسے سادہ زبان میں،دوسرے مصنفین یا ماضی کے حالات واقعات کے حوالوں کے بغیر تحریر کیا گیا ہے تا کہ باآسانی سمجھ آسکے۔اس کے مطالعے کے لیے ضروری نہیں کہ قاری انارکی کے پس منظر سے پوری طرح آگاہ ہو۔

یہ تحریر ماضی میں لوگوں کے خیالات سے اخذ کی گئی ہے اس لیے مکمل اور یجنل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی اور نہ ہی یہ انارکیت کے حوالے سے یہ حتمی کا درجہ رکھتی ہے۔انارکیت کو ان تیس صفحات میں سمیٹنے کی بجائے اس پر مزید بہت کچھ زیادہ لکھا جاسکتا ہے اور بلاشبہ جلد ہی ماضی کی طرح انارکیت پر تحریریں اس بیان سے کہیں آگے بڑھ جائیں گی۔

میں کسی طرح کی اتھارٹی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ انارکی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ کسی طرح کے ترجمانی کی اتھارٹی کو بھی رد کرتی ہے۔اگر قارئین کے پاس اس پر تنقید کے لئے کچھ نہیں ہے تو سمجھوں گا کہ میں ناکام ہو گیا ہوں۔یہ کتاب انارکی کا ایک ذاتی بیان ہے جو دس سال انارکسٹ سرگرمیوں میں حصہ لینے،انارکسٹ پریس میں مضامین لکھنے اور پندرہ سال انارکسٹ لیٹریچر کے مطالعے اور بحث ومباحثے پر مبنی ہے۔

نکولس والٹر

مئی،1969

تعارفی کلمات:

نکولس والٹر برطانیہ کے ممتاز انارکسٹ دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ 1934 میں جنوبی لندن کے ایک علمی وسیاسی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے صحافت کو ذریعۂ اظہار بنایا اور تقریباً چار دہائیوں پر محیط اپنے کیریئر میں مختلف جرائد کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران وہ "فریڈم پریس" جیسے اشاعتی اداروں سے بھی قریبی طور پر وابستہ رہے اور اپنے افکار کی اشاعت و ترویج میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔

بحیثیتِ مصنف، انہوں نے امن پسندی، آزاد خیالی اور انارکیت جیسے موضوعات پر متعدد مقالات اور مختصر کتابچے تحریر کیے۔ ان کی ایک منفرد شناخت وہ دو ہزار سے زائد خطوط ہیں جو انہوں نے مختلف اخبارات و جرائد کو، خواہ احتجاج کے اظہار کے لیے ہوں یا کسی علمی مباحثے کے تناظر میں، ارسال کیے۔ نکولس والٹر نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز لیبر پارٹی سے کیا، لیکن جلد ہی 1959 میں اس کی رکنیت سے مستعفی ہو کر خود کو جماعتی سیاست کی قیود سے آزاد کر لیا اور بقیہ زندگی انارکیت کے فروغ کے لیے وقف کر دی۔

ایک انارکسٹ کارکن کے طور پر وہ تحریک کے مختلف محاذوں پر متحرک رہے۔ وہ بیک وقت ایک سنجیدہ مفکر، نظریہ ساز اور پُرجوش مقرر تھے۔ 1961 میں انہوں نے برٹرینڈ رسل کی تحریک پر "کمیٹی آف 100" کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا، جس کا مقصد جوہری ہتھیاروں کے خلاف پُرامن احتجاج اور عالمی امن کے شعور کو فروغ دینا تھا۔ 1962 میں وہ اسی کمیٹی کی ایک فعال رکن، روٹ اوپن ہائیم، کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ نکولس والٹر نے پسِ پردہ "جاسوس برائے امن" کے قیام میں بھی مرکزی کردار ادا کیا، جس کا انکشاف ان کی وفات کے بعد ہوا۔ اس گروہ نے 1963 میں جوہری جنگ سے متعلق برطانوی حکومت کی خفیہ دستاویزات منظرِ عام پر لا کر ایک غیر معمولی جرات کا مظاہرہ کیا، جس کے نتیجے میں حکومت کو عوامی سطح پر شدید تنقید اور سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔

1973 میں وہ سرطان کے عارضے میں مبتلا ہوئے، مگر اس مہلک بیماری کے باوجود ان کے حوصلے میں کوئی لغزش نہ آئی۔ وہ آخری ایام تک وہیل چیئر پر متمکن اپنے قلم کے ذریعے فکری محاذ پر سرگرمِ عمل رہے اور بالآخر 2000 میں لندن میں انتقال کر گئے۔

زیرِ نظر تحریر ابتدا میں روزنامہ ''دی انڈیپنڈنٹ'' میں مضامین کی صورت میں منصۂ شہود پر آئی، جسے بعد ازاں یکجا کر کے ایک مختصر کتابچے کی شکل میں پیش کیا گیا۔ اس کتابچے کو ایسی غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی کہ برطانیہ کے انارکسٹ حلقوں میں متعدد والدین نے اپنے بچوں کے نام ''نکولس'' رکھے۔ عصرِ حاضر کے ممتاز انارکسٹ مفکر پیٹر مارشل کے بقول، وہ آسکر وائلڈ اور نکولس والٹر کی تحریروں ہی سے اثر پذیر ہو کر اس فکر کی جانب مائل ہوئے۔ سنہ 1969 میں پہلی بار شائع ہونے والا یہ کتابچہ اب تک دنیا کی تقریباً تمام اہم زبانوں میں منتقل کیا جا چکا ہے۔

میرے نزدیک اس کی غیر معمولی پذیرائی کا راز اس کے اختصار میں مضمر جامعیت اور اسلوب کی سادگی میں پوشیدہ فکری گہرائی ہے۔ نکولس والٹر نے انارکیت کے بنیادی مسائل کو محض بیان نہیں کیا بلکہ انہیں متنوع زاویوں سے اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر سوال اپنے اندر ایک نئے سوال کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ تحریر قاری کو محض معلومات فراہم نہیں کرتی بلکہ اسے اپنے فکری مقام کے تعین اور آئندہ سمت کے تعاقب پر آمادہ کرتی ہے۔ بلا مبالغہ، اسے انارکسٹ ادب کی اہم ترین دستاویزات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

آج سے ایک صدی قبل عظیم انقلابی بھگت سنگھ نے یہ شکوہ کیا تھا کہ برصغیر کے عوام انارکسٹ تحریک سے ناآشنا ہیں؛ افسوس کہ آج بھی صورتِ حال میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہو سکی۔ اردو زبان میں اس موضوع پر مواد نہایت قلیل ہے۔ اس ترجمے کا محرک محض ایک علمی خلا کو پُر کرنا نہیں بلکہ ایک خالص تحریکی مقصد بھی ہے۔ پاکستان میں اگرچہ ایسے افراد کی تعداد محدود ہے جو خود کو انارکسٹ کہنے یا اس فکر میں دلچسپی لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں، تاہم ان کے مابین کوئی مؤثر فکری ربط موجود نہیں۔ یہ کتابچہ دراصل انہی منتشر اذہان کے درمیان ایک معنوی اور فکری اتصال کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

کسی بھی ترجمے کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ قاری کے اندر اصل متن تک رسائی کی خواہش کو بیدار کرے اور اسے متعلقہ موضوع پر مزید غور و تحقیق کی جانب مائل کرے۔ اگر اس مطالعے کے بعد کوئی قاری انارکیت کے بارے میں مزید آگہی حاصل کرنے کی جستجو میں سرگرداں ہوتا ہے، تو میں اسے اپنی اس ناچیز کاوش کی حقیقی کامیابی تصور کروں گا۔

ظفر جمال

مارچ، 2022 کالج روڈ لاہور

پس نوشت:

نکولس والٹر کی اس کتاب کا ترجمہ رواں سال مارچ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا، تاہم مختلف وجوہات کی بنا پر اس کی فوری اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ البتہ ترجمے کی سافٹ کاپی پاکستان میں موجود انارکسٹ حلقوں تک ضرور پہنچا دی گئی۔ اس کے علاوہ اسے سیاسی نظریات میں دلچسپی رکھنے والے چند احباب کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ اب کامریڈ ذیشان امام نے اس کی طباعت کا فیصلہ کیا ہے۔

کامریڈ ذیشان ایک پُرجوش، متحرک اور محنتی انارکسٹ ہیں، اور دوستوں کے درمیان رابطے کا بنیادی وسیلہ بھی وہی ہیں۔ میں ان کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ذاتی دلچسپی لی اور طباعت کے تمام مراحل کی ذمہ داری خوش دلی کے ساتھ قبول کی۔

اس کے ساتھ ہی میں ورلڈ ورکرز سالیڈیریٹی فیڈریشن پاکستان کا بھی ممنون ہوں، جن کے تعاون نے اس ترجمے کی اشاعت کو ممکن بنایا۔

ظفر جمال

ستمبر، 2022 ٹرائی کون ویلج. لاہور

انارکسٹوں کے خیالات

سترھویں اور اٹھارویں صدی کے انگلش اور فرانسیسی انقلابات میں متحرک انارکسٹوں کو اولین انارکسٹ کہا جاتا ہے. ان کے لئیے یہ اصطلاح تضحیک کے طور پر برتی گئی کیونکہ وہ انتشار اور بے معنویت کے معنوں میں انارکی چاہتے تھے لیکن اب 1840 کے بعد سے انارکسٹ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ اصطلاح "لاحاکمیت" کے معنوں میں اختیار کی ہے۔ یونانی لفظ "انارکھیا" اپنے متبادل انگریزی لفظ "انارکی" کی طرح دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ انارکسٹوں کے علاوہ دوسرے لوگ اسے اول الذکر معنوں میں ہی استعمال کرتے ہیں جبکہ نراجیت پسند اس کی جدا شاخت رکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اب ایک صدی سے زائد انارکسٹ ایسے افراد ہیں جن کے لیے انارکیت کے معنی انتشار اور لاقانونیت کے نہیں ہیں **اور ان** کا عقیدہ ہے کہ حکومت کے بغیر سماج، ہر صورت میں اس سماج سے بہتر ہو گا جس میں اس وقت ہمیں زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے۔

تمام انسانی برادریوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اتھارٹی اور حکم پسندی کے خلاف رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ انارکیت اس نفسیاتی رد عمل کی سیاسی توضیح و تشریح کا نام ہے۔ فطری طور پر انارکسٹ رجحانات کا حامل، کوئی ایسی بات ماننے سے انکاری ہو گا یا کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا جو محض کوئی دوسرا اسے سرانجام کرنے کے لیے کہتا ہے۔ تاریخ میں انفرادی اور گروہی دونوں سطح پر، اپنے حکمرانوں کے خلاف انارکی کی عملی مثالیں موجود رہی ہیں۔ فکری حوالے سے انارکی ایک قدیم تصور ہے۔ حکمرانی کے بغیر ماضی کے سنہری دور کا بیان ہمیں قدیم بھارت، مصر و میسوپوٹامیہ اور یونان و روم کی فکری روایات میں ملتا ہے۔ اسی طرح مستقبل میں بھی بنا حکومت ایک یوٹوپیا کی خواہش بیشتر مذاہب، سیاسی مفکرین اور انسانی برادریوں میں موجود رہی ہے لیکن موجودہ صورتحال میں انارکی کا اطلاق زمانہ حال کا سیاسی مظہر ہے۔ انیسویں صدی میں اس تصور نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی کہ ہم انارکسٹ "ابھی اور اسی وقت" یعنی لمحہ حال میں حکمرانی سے پاک معاشرہ چاہتے ہیں۔

دائیں اور بائیں بازو کے دوسرے دھڑے صرف نظریاتی طور پر حکومت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ایک صورت میں جب مارکیٹ اس حد تک آزاد ہو جائے کہ اس پر مزید نگرانی کی ضرورت باقی نہ رہے اور دوسری صورت میں عوام اس حد تک مساوی ہو جائیں کہ ان پر قدغن بلاضرورت دکھائی دینے لگے۔ لیکن ان دھڑوں کے اقدامات سے صرف حکومت ہی توانا ہوتی ہے۔ یہ صرف انارکسٹ ہیں اور صرف انارکسٹ ہی ہیں جو اپنی عملی جدوجہد میں بھی حکومت سے مکمل چھٹکارا چاہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم انسانی کو فطرتاً نیک یا بھلامانس تصور کرتے ہیں یا وہ ایک دوسرے کے مساوی و متماثل ہوتے ہیں یا ہمارا انسانوں کی اصلاح پسندی پر یقین ہے اور اسی طرح انسان کامل کے تصور کو بھی درست مانتے ہیں یا پھر ہمارے خیال میں انسانوں کی تکمیل ممکن ہے۔ وہ اس طرح کی کسی بھی رومانی نامعقولیت پر یقین نہیں رکھتے۔ انارکسٹوں کے نزدیک انسان سماجی رجحانات کے حامل ہوتے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے معاملات خود سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بیشتر لوگوں کے نزدیک حکمرانی ایک لازمی امر ہے کیونکہ آپ کچھ لوگوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے معاملات زندگی سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہوں لیکن انارکسٹوں کے نزدیک حکومت نقصان دہ ہے کیونکہ کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی بھی دوسرے کے معاملات زندگی دیکھے یا ان کا خیال رکھ سکے۔ اگر تمام افراد اتنے ناقص ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی زندگیوں پر حکمرانی کریں تو، انارکسٹ سوال اٹھاتے ہیں کہ پھر کوئی بھی فرد اتنا بہتر کیسے ہوا کہ وہ دوسروں پر حکمرانی کر سکے۔ "طاقت کرپٹ کرتی ہے اور لامحدود طاقت لامحدود طور پر کرپٹ کرتی ہے"۔

اسی طرح، کرہ ارض کی مجموعی دولت نسل انسانی کی مجموعی محنت کا پھل ہے۔ تمام انسانوں کا مساوی حق ہے کہ وہ اس محنت میں حصہ ڈالیں اور اس کے ثمرات سے مستفید بھی ہوں۔ انارکی ایک آئیڈیل ہے جو بیک وقت مکمل آزادی اور مکمل برابری کی متقاضی ہے۔

آزاد خیالی اور سوشلزم:

انارکیت پسندی کو لبرل ازم یا سوشلزم یا پھر دونوں کی ترقی کے طور پر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ سوشلسٹوں کی طرح ہم بھی مساوات کے خواہاں ہیں اور آزاد خیالوں کی طرح ہم آزادی بھی چاہتے ہیں لیکن صرف سوشلزم سے یا پھر محض آزاد خیالی سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ عدم مساوات کی صورت میں آزادی سے مراد ہو گی کہ غریب اور نادار لوگ، امرا اور طاقتور لوگوں سے کم درجہ آزاد رہیں اور آزادی کے بغیر مساوات کا مفہوم ہے کہ ہم اجتماعی طور پر غلام ہیں۔ برابری اور آزادی ایک دوسرے کی ضد نہیں، یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ آزادی بمقابلہ برابری کی روائیتی بحث کی رو سے آزادی میں اضافہ عدم مساوات بڑھائے گا اور برابری میں اضافہ آزادی میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔ انارکسٹ لیکن اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ ایک کو رد کرنے سے دوسری صورت حاصل نہیں کر سکتے۔ آزادی حقیقی نہیں ہو سکتی اگر کچھ افراد بہت غریب یا نادار ہوں کہ اپنی آزادی سے بھرپور طور پر لطف اندوز بھی نہ ہو سکیں اور برابری بھی بے معنی رہے گی جب تک چند افراد پر دوسرے افراد کی حکمرانی قائم ہو۔ نظریہ سیاست میں پیشرفت کے حوالے سے انارکسٹوں کی اہم ترین خدمت اسی حقیقت کا ادراک ہے کہ برابری اور آزادی اپنی اہمیت کے اعتبار سے اصلاً ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

انارکیت پسند انسانی ترقی کا ایک مختلف نظریہ رکھنے کی وجہ سے بھی سوشلزم اور لبرل ازم سے الگ کھڑے ہیں۔ لبرل ازم کے خیال میں تاریخ نسانی ترقی کا ایک یک رخا اور اکہرا سفر ہے جو دور وحشت، توہمات اور عدم برداشت سے۔۔۔ علم، تہذیب، روشن خیالی، رواداری اور بالاخر آزادی کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ تنزلی اور بہتری کے ادوار کے باوجود، انسانی ترقی کا یہ سفر تاریک ماضی سے روشن مستقبل کی طرف رواں دواں ہے۔ دوسری طرف سوشلسٹ تاریخ کو ایک جدلیاتی عمل قرار دیتے ہیں جو وحشی پن، آمریت، جاگیرداری اور پھر سرمایہ داری اور آخر کار پرولتاریت کی فتح اور یوں سرمایہ داری نظام کے خاتمے کی صورت میں آگے بڑھ رہی ہے۔ انقلاب اور اس کے خلاف رد عمل کے باوجود، یہ بہر حال ایک تکلیف دہ ماضی سے خوشگوار مستقبل کی طرف سفر ہے۔ انارکیت پسند ترقی کے ان تصورات کو قطعی مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انہیں کسی بھی صورت میں یہ ترقی نظر نہیں آتی اور نہ ہی ہم تاریخ کو یک رخا یا پھر جدلیاتی ارتقاء کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ تاریخ ایک دوہرا عمل ہے۔ یہ دائمی طور پر ایک دوسرے کے متحارب حاکم اور محکوم، رئیس اور مفلس، حکمرانی کی خواہش سے مغلوب، حکمرانی کا شکار لوگوں اور آزادی کی تڑپ رکھنے والوں، اتھارٹی کے اصولوں اور آزادی، حکمرانی اور بغاوت کی، ریاست اور معاشرے کے درمیان کھینچاتانی کی کہانی ہے۔ یہ متحارب گروہ دائمی طور پر دوسرے کے خلاف ہیں اور یہ کشمکش بھی ختم نہیں ہوئی۔ نسل انسانی کی یہ تحریک کبھی ایک سمت اور کبھی دوسری سمت کشمکش کی داستان ہے۔ حکمرانی کے پرانے دور کا اختتام یا نئے دور کا ظہور، ترقی کی پراسرار جست نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ ترقی کا مبہم حصہ ہے۔ اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی جو بظاہر نظر آتی ہے۔ تاریخی واقعات کو صرف اسی حد تک خوش آئند کہا جائے جس حد تک وہ مجموعی انسانی آزادی اور برابری میں اضافے کے لئیے معاون ثابت ہو رہے ہوں۔ ہم مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بہتری کی جانب رواں دواں ہے۔ ہماری امید بس یہ ہے کہ علم اور شعور میں اضافے کے ساتھ انسان مزید باشعور ہو جائے گا کہ وہ حاکمیت کی ضرورت یا طلب کے بغیر ہی اپنی زندگی کے معاملات خود سنبھال سکے۔

تاہم تاریخی طور پر سوشلزم اور لبرل ازم ہی انارکیت کے ماخذ ہیں۔ لبرل ازم اور سوشلزم دونوں کی ابتدا انارکیت پسندی سے قبل ہوئی۔ انارکیت پسندی دونوں کے تضادات سے شکل پذیر ہوئی۔ زیادہ تر انارکیت پسند ابھی تک سوشلزم یا پھر آزاد خیالی سے ہی اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں لیکن ان کی انقلاب کی خواہش شاذونادر ہی مکمل شکل اختیار کرتی ہے اور مکمل طور پر یہ انارکی میں ہی پختہ ہوتی ہے اور اگر انارکسٹ لبرازم یا سوشلزم کسی ایک میں بھی موجود خصوصیت کو رد کرئے تو اصل میں وہ انارکیت کو دھوکہ دے رہا ہو گا۔ ایک معنوں میں انارکسٹ ہمیشہ آزاد خیال یا سوشلسٹ رہتے ہیں۔ ایک طرف ہم تقریر، اجتماع، طرز عمل اور خصوص کر اختلاف رائے کی آزادی پر انحصار کرتے ہیں تو دوسری طرف ملکیت کی برابری، انسانی یکجہتی اور خاص کر اختیار کی ساجھے داری کو بھی مانتے ہیں۔ ہم لبرل ہیں لیکن ایک قدم بڑھ کر لبرل اور اسی طرح ہم سوشلسٹ بھی ہیں لیکن ایک درجہ زیادہ سوشلسٹ۔

لیکن نراجیت آزاد خیالی اور سوشلزم کا ملغوبہ بھی نہیں ہیں۔۔۔ یعنی سوشل ڈیموکریسی اور فلاحی سرمایہ دارانہ نظام جو اس وقت ملک (برطانیہ) میں رائج ہیں۔ ہم نے اس سے جو بھی سیکھا اور ہم لبرل رویوں سے جس درجہ بھی قربت رکھتے ہوں، ہم بنیادی طور پر ان سے مختلف ہیں۔ حکومتی اداروں کو رد کرتے ہوئے ہم سوشل ڈیموکریٹ سے مختلف ہیں۔ آزاد خیال اور سوشلسٹ دونوں حکومت پر انحصار کرتے ہیں؛ آزاد خیال معاشی حوالوں سے آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے، لیکن برابری کو رد کرتے ہوئے اور سوشلسٹ برابری کی حفاظت کرتے ہوئے لیکن آزادی کی نفی کرنے کی وجہ سے۔ حتیٰ کہ انتہا پسند آزاد خیال یا سوشلسٹ بھی حکمرانی سے صرف نظر نہیں کر سکتے یعنی کچھ افراد کی کچھ لوگوں پر حکمرانی کا خواب۔ انارکیت کا جوہر کسی بھی شخص پر کسی بھی دوسرے کی حکمرانی کی نفی ہے اور اس جوہر سے تہی انارکی کسی بھی صورت میں انارکی نہیں ہو گی۔

جمہوریت اور نمائندگی:

کئی افراد غیر جمہوری حکومت کے مخالف ہیں تاہم جمہوری حکومت کی مخالفت کے سبب بھی انارکسٹ ان سے جدا شناخت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ جمہوری حکومت کے بھی خلاف ہوتے ہیں لیکن انارکسٹ اپنی مخالفت میں ان سے بھی جدا ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ عوام کی حکمرانی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں یا وہ جمہوریت سے خوفزدہ ہیں؛ وہ یقین رکھتے ہیں کہ جمہوریت لوگوں کی حکمرانی نہیں اور یہ ایک منطقی مغالطہ ہے، اصلا "جمہوریت کا وجود ممکن نہیں۔ حقیقی جمہوریت ایک چھوٹی کمیونٹی میں ہی ممکن ہے جہاں ہر کوئی فیصلہ سازی کے عمل میں شرکت کر سکے لیکن ایسی صورتحال میں جمہوریت کی مزید ضرورت نہیں رہتی۔ جس کو جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے اور جو عوام کی خود اپنے ذریعے حکومت بھی تصور کی جاتی ہے، اصل میں وہ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کی حکومت ہوتی ہے۔ اس طرز حکمرانی کو "رضامندی کی امراشاہی" کہنا بہتر ہو گا۔ ہمارے منتخب کردہ راہنماؤں کی حکومت، عام طور پر ان حکمرانوں سے مختلف اور بہتر ہوتی ہے جو حکمرانی کے لیے خود کو منتخب کرواتے ہیں لیکن بہر صورت یہ بھی کچھ افراد کی دوسرے لوگوں پر حکمرانی ہی تصور ہو گی۔ جمہوری طور پر بہترین حکومت بھی اپنے احکامات کی تعمیل کے لئیے یا کچھ امور سے روکنے کے لئیے دوسرے لوگوں پر ہی انحصار کرتی ہے۔ حکمرانی خواہ ہمارے نمائندوں کے ذریعے ہی کیوں ہو، ہم بہر صورت حکمرانی کا شکار ہوں گے۔ جونہی وہ ہماری رضا کے برخلاف ہم پر حکمرانی شروع کر دیں وہ ہماری نمائندگی کے حق سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ بیشتر لوگ اس نکتے پر متفق نظر آتے ہیں کہ اگر کسی دور میں ہم شنوائی کے حق سے محروم ہو جائیں تو اس حکومت کی اطاعت ہم پر فرض نہیں رہتی۔ لیکن انارکسٹ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں اور بااصرار کہتے ہیں کہ کسی صورت میں اپنی منتخب کردہ حکومت کی پیروی بھی ہم پر فرض نہیں ہوتی، اسے ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ اسے منتخب کیا ہے یا چنا ہے۔ دوسری صورت میں ہم اسقدر کمزور ہوتے ہیں کہ اس سے نافرمانی کی طاقت نہیں رکھتے لیکن اختلاف کی صورت میں اس کی پیروی بھی ہم پر فرض نہیں۔ زیادہ تر لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی تبدیلی کی صورت میں فیصلے سے پہلے ان لوگوں سے رائے لینی چاہیے جن کا متعلقہ مسائل سے بلاواسطہ تعلق ہو۔ انارکسٹ مزید ایک قدم بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ فیصلہ بھی خود انہی افراد کو کرنا چاہیے اور فیصلوں کے نتائج جانچنے کے لئیے۔۔۔ ان کا اطلاق بھی خود انہی لوگوں کو کرنا چاہئے۔

یوں انارکسٹ سماجی معاہدے اور نمائندگی کا نظریہ بھی رد کرتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے افراد کی تعداد قلیل ہوتی ہے جو نمائندگی کے مسائل میں دلچسپی رکھتے ہوں اور پھر ایسے افراد بھی تھوڑی تعداد میں ہی میسر ہوں گے جو یہ مسائل حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ مگر ان مسائل کو حل کرنے کے لیے انتخاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ افراد کسی نہ کسی طور خود ہی سامنے آجائیں گے اور یہ سارا عمل کسی بھی بیرونی مداخلت کے بغیر قدرتی اور خود کار طریقے سے ہونا چاہئے۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ لیڈر اور ماہرین کو حکمرانی کے فریضے پر فائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ لیڈرشپ اور ماہرین کی صلاحیتیں لازمی طور پر حکمرانی سے تعلق نہیں رکھتیں۔ نمائندگی کا طریقہ کار سہل اور سادہ ہو تو ایسی صورت میں ان ڈپٹی حضرات اور وفود کے ذریعے سے ہونی چاہیے جن کو اس کام کے لیے اختیار سونپا جائے اور وہ ضرورت پڑنے پر دوبارہ لوگوں کے سامنے پیش ہونے کے لئے رضامند بھی ہوں۔

بعض صورتوں میں منتخب کردہ راہنما اقتدار پر ڈاکہ ڈالنے والے رہنما سے بھی بدتر ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ مجرد دلال، دلکش اصطلاحات اور دلفریب الفاظ میں لپٹی ہوئی اتھارٹی کا پردہ چاک کرنا۔۔ دقت طلب کام ہوتا ہے۔ چونکہ ہمیں چند برسوں کے وقفے سے اپنے رہنما منتخب کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئیے ہم پر یہ فرض نہیں ہو جاتا کہ بقیہ مدت بھی راہنماوں کی پیروی میں ہی گزار دیں۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو کسی اخلاقی وجہ سے نہیں، صرف عملی مشکلات کیوجہ سے ہی ایسا ممکن ہوتا ہے۔ اس لیئے انارکیت پسند حکومت کے مخالف ہیں خواہ یہ کسی بھی طریقہ کار کے تحت تشکیل پائے۔

ریاست اور طبقات:

روایتی طور پر انارکسٹوں نے اتھارٹی کی ریاستی شکل کو اپنی مخالفت کا ہدف بنایا ہے۔۔۔ ایسا ادارہ جو ایک مخصوص علاقے میں طاقت کے استعمال پر اجارہ داری کا دعویٰ رکھتا ہو۔۔۔ کیونکہ یہ کسی معاشرے میں حاکمیت کی اعلیٰ ترین شکل، اس کا منبع یا اس کے نفاذ کا جواز بھی ہوتا ہے۔ انارکسٹوں نے روایتی طور پر ریاست کی تمام اقسام کی مخالفت کی ہے۔ بادشاہتوں، آمروں اور فاتحین کی ہی نہیں، روشن خیال آمریت کی مختلف شکلوں یعنی ترقی پسندانہ ملوکیت، جاگیردارانہ اور تاجرانہ بادشاہی، پارلیمانی جمہوریت اور سوویٹ طرز حکمرانی اور اسی طرح کی دوسری شکلوں کی بھی۔ انارکسٹوں کا نقطہ نظر ہے کہ تمام ریاستیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان کے درمیان تفریق کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔

تاہم یہ ایک سادہ توجیہ ہے۔ بلاشبہ تمام ریاستیں ہی حاکمیت پسند ہوتی ہیں تاہم کچھ ریاستیں دوسری ریاستوں سے زیادہ حاکمیت پسند ہوتی ہیں۔ ایک عام فرد ایسی ریاست میں رہنے کا خواہشمند ہو گا جو بہت زیادہ طاقت پسند نہ ہو، قدرے کم حاکمیت پسند ہو۔ مثال کے طور پر انارکیت پر تحریروں کی اشاعت ماضی کی بیشتر ریاستوں میں ممکن نہیں تھی اور آج بھی مشرق و مغرب کی دائیں، اور بائیں بازو کی بیشتر ریاستوں میں صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ میں ایسی ریاست میں رہنے کو ترجیح دونگا جہاں ان کی اشاعت ممکن ہو۔ زیادہ تر قارئین بھی میری طرح ہی سوچتے ہوں گے۔

چند انارکسٹ ابھی تک ریاست کے مجرد تصور کے بارے میں ایک سادہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ مرکزی حکومت اور اس کے اداروں پر حملوں کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ یہ ادارے محض ریاست کا حصہ ہونے کی وجہ ہی سے اس پر انحصار نہیں کرتے، یہ کسی بھی معاشرے میں اتھارٹی کی انتہائی مثال بھی ہوتے ہیں۔ ہم ریاست اور معاشرے کا موازنہ کرتے ہوئے اسے معاشرے سے الگ نہیں دیکھتے بلکہ معاشرے کا جزو سمجھتے ہوئے ایک اجنبی اور

غیر ضروری اضافے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ جارحیت کے جذبے کی طرح حاکمیت کی خواش بھی قدرتی ارتقاء کی ایک شکل ہے، مگر ایک ایسا طرز عمل جس پر قابو پانے اور جس سے بالاتر ہونے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ غلبے یا حاکمیت کا مسئلہ اسے ایک ادارہ جاتی شکل دینے سے ختم نہیں ہو گا، ایک حل تلاش کرنا ہو گا جس کو بنیاد بناتے ہوے، اداروں پر انحصار کے بغیر معاملات حل ممکن ہو سکے۔

انارکسٹ حکومت کے جابرانہ اداروں کے خلاف ہیں۔ حکومتی ملازمین، قوانین، پولیس، عدالتیں، جیل، افواج وغیرہ اوران اداروں کے خلاف بھی جوبظاہر قدرے افادیت کے حامل ہوں جیسے امداد یافتہ ادارے، لوکل کونسلیں، قومیائی گئی صنعتیں، پبلک کارپوریشنز، بینک، انشورنس کمپنیاں، پریس، نشرواشاعت، اسکول اور یونیورسٹیاں وغیرہ بھی۔ ان اداروں کی بنیاد بھی رضامندی پر نہیں جبر پر ہے اور آخر کار یہ بھی طاقت کے سہارے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ انارکسٹ بااصرار کہتے ہیں کہ موخرالذکر ادارے بھی اسی طرح کا آہنی شکنجہ ہیں لیکن ریشم میں لپٹا ہوا۔

لیکن ریاست کی بل واسطہ اور بلاواسطہ اتھارٹی پر قائم ان اداروں کی ماہیت، صرف منفی نقطہ نظر سے درست طور پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ ریاستی اتھارٹی سے سے بلاواسطہ یا بل واسطہ جنم لینے والے ادارے درج بالا وجوہات کی بنا پر دو پہلوؤں کے حامل ہیں: ایک منفی اور ایک مثبت پہلو۔ ان کا منفی لیکن مفید پہلو یہ ہے کہ یہ دوسرے اداروں کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہیں، جس طرح ظالم والدین، لالچی لینڈلارڈ، وحشی باس، متشدد مجرم وغیرہ۔ اسی طرح انکا ایک مثبت اور مفید پہلو یہ ہو گا کہ وہ پسندیدہ سماجی سرگرمیوں کی ترویج کریں مثلاً مفاد عامہ کے ترقیاتی کام، آفات میں بچاو، ذرائع ابلاغ کا فروغ، کلچر اور صحت کی خدمات وغیرہ۔ اس حوالے سے آزاد ریاست، فلاحی ریاست، آزادیوں اور برابری کے لیے سرگرم ریاستوں کی مثالیں موجود ہیں۔

لیکن اس مسئلہ پر انارکسٹوں کا پہلا رد عمل یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی جابرانہ ریاست کی مثال موجود ہے کہ ریاست کا بنیادی کردار لوگوں پر قابو پانا اور ان کی آزادی کو محدود کرنا ہے۔ یاد رہے کہ ریاست کے سارے فلاحی کام رضاکارانجمنیں انجام دے سکتی ہیں اور دیتی بھی رہی ہیں۔ اس حوالے سے ریاست کا کردار قرون وسطی کے چرچ کی مانند رہا ہے۔ اس دور میں بنیادی معاشرتی سرگرمیوں کے بغیر ایک چرچ کا تصور کرنا ممکن نہیں تھا۔ چرچ بپتسمہ، شادی اور وفات کے مناسک ادا کرواتے تھے لیکن چرچ کو بالاخر یہ ماننا پڑا کہ وہ آبادی، محبت اور موت کو کنڑول نہیں کر سکتے۔ (تمام. پبلک سرگرمیوں کی سرکاری مذہب کی طرف سے تصدیق ضروری تھی) ان میں سے کچھ امور کے لیے یہ اب بھی ضروری ہے (لیکن عوام بھی سمجھ گئے کہ یہ کام چرچ کی سرپرستی کے باوجود بھی موثر ہیں۔ چرچ کمیونل زندگی کے ان پہلوؤں میں مداخلت کے ساتھ ساتھ انہیں کنڑول بھی کرتا تھا اور اب یہ مداخلت ریاست کے دائرہ اختیار میں شامل ہیں۔ عوام سمجھ چکے ہیں کہ چرچ کی شراکت نقصان دہ ہی نہیں غیر ضروری بھی ہے اور انہیں اب یہ سیکھنا ہے کہ ریاست کا غلبہ بھی سطحی اور قابل نفرت ہے۔ ریاست کی ضرورت اسی وقت تک محسوس ہوتی ہے جب تک یہ بات سوچ میں شامل رہے۔ ریاست کے ذمہ سارے وظائف، اس کی اتھارٹی کے بغیر بھی اسی طرح یا اس سے بھی بہتر طریقوں سے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

انارکسٹوں کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ریاست کا دوسرا کام عدم مساوات کی موجودہ صورت برقرار رکھنا بھی ہے۔ انارکسٹ مارکس وادیوں سے اتفاق نہیں رکھتے کہ معاشرے کی بنیادی اکائی طبقات ہیں۔ تاہم، بیشتر انارکسٹ اس پر متفق ہیں کہ ریاست سماج کے معاشی ڈھانچے کا سیاسی اظہار ہے، یعنی یہ ان لوگوں کی نمائندہ ہے جو کمیونٹی کی دولت کے مالک یا اسے کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ استحصال پسند ہوتے ہیں کیونکہ وہ دولت کی تخلیق کے لیے کوئی کام نہیں کرتے۔ ریاست دولت کو ایماندارانہ تقسیم نہیں کرسکتی کیونکہ یہ غیر منصفانہ تقسیم کی ایجنسی ہے۔ انارکیت پسند مارکسیوں کے ساتھ متفق ہیں کہ موجودہ سسٹم کو تباہ کر دینا چاہیے لیکن وہ اس سے اختلاف کرتے ہیں کہ مستقبل کا سوشلسٹ نظام محض حکومت نئے اور مختلف ہاتھوں میں ہونے کے باعث تشکیل دینا ممکن ہو گا۔ ریاست کے زیر سایہ پرورش پانے والا ایک غیر طبقاتی معاشرہ بھی جلد ہی دوبارہ طبقاتی شکل اختیار کرے گا۔ ریاست کا شیرازہ از خود اپنے طور نہیں بکھرے گا۔ یہ لوگوں کی طاقت کے بل بوتے پر، حکمرانوں سے اختیار اور امراسے دولت چھیننے سے ہی منہدم ہو گی اور یہ دونوں کام ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ایک کے بنا دوسرا بے نتیجہ ثابت ہو گا۔ انارکی کا درست مفہوم حکمرانوں اور امراء سے پاک سماج ہے۔

تنظیم اور افسر شاہی:

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ انارکیت پسند تنظیم کو رد کرتے ہیں۔ انارکیت کے خلاف مضبوط ترین تعصب بھی یہ ہے اور عوام یہ تعصب قبول کرنے کے لئیے تیار بھی رہتے ہیں مگر انارکی سیاسی انتشار کا نام نہیں ہے۔ انارکسٹ بد انتظامی اور انتشار نہیں چاہتے، وہ حکومت کے بغیر تنظیم و ترتیب کے قائل ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ انارکی سے مراد ایسی صورت حال ہے جو ایک خودرو طریقے سے فطری طور پر ظہور پذیر ہو۔ لہذا انارکسٹ تنظیم کے خواہاں نہیں ہوتے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے؛ وہ اس سے کہیں بڑھ کر تنظیم و ترتیب کے خواہاں ہیں، لیکن کسی اتھارٹی یا حکم کے بغیر تنظیم۔ انارکسٹوں کے خلاف تعصب اصل میں تنظیم کے حق میں ایک دائمی تعصب سے جنم لیتا ہے۔

عوام یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تنظیم صرف اتھارٹی پر ہی منحصر نہیں ہوتی اور یہ کسی اتھارٹی کے بنا بھی موثر ترین ہو سکتی ہے۔ معمولی غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جبر کو رضامندی میں بدلنے سے منصوبہ بندی اور بحث و تمحیص میں بے حد اضافہ ہو گا۔ کسی بھی فیصلے سے متعلق افراد فیصلہ کرنے کے عمل میں بھی شرکت کریں گے اور کوئی کام بھی تنخواہ دار ملازمین یا سیاستدانوں کو نہیں سونپا جائے گا۔ قوانین اور طریقہ کار کی پابندی سے آزاد ہر فیصلہ ایک نیا فیصلہ ہو گا۔ قوانین اور رہنماؤں کی پیروی سے چھٹکارے کی وجہ سے ہر فرد اپنی ذہن سازی کی طرف مائل ہو گا۔ معاملات کو جاری رکھنے کے لیے افراد کے درمیان رابطوں کی پیچیدگی میں اضافہ ہو گا، کمی واقع نہیں ہو گی۔ تنظیم کی شکل ڈھیلی اور کسی حد تک کم موثر ہو سکتی ہے لیکن یہ متعلقہ لوگوں کی ضروریات اور احساسات کے قریب ترین ہو گی۔ اگر پرانے طرز کی تنظیم یعنی اتھارٹی اور جبر سے کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا تو اسے خدا حافظ ہی کہہ دینا بہتر ہے۔

انارکسٹ تنظیم کی ادارہ بندی کو رد کرتے ہیں، مثلاً دوسرے لوگوں کو منظم کرنے کے لئے ایک بیوروکریسی وغیرہ کے خاص گروپ تشکیل دینا۔ انارکسٹ تنظیم اوپن اور لچکدار ہو گی جس کا مقصد لوگوں کو منظم کرنا ہو گا۔ جو نہی کوئی تنظیم سخت گیر اور پابند ہو جائے تو یہ بیوروکریسی کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور ایک مخصوص کلاس کی آلہ کار بن جاتی ہے۔ معاشرتی اکائیوں کے درمیان رابطے کی جگہ حاکمیت پسندی کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ ہر گروپ شہنشاہی رویوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ کچھ چنیدہ افراد کی راہنمائی سے ہر تنظیم بیوروکریسی کا روپ دھارنے کی طرف مال ہو جائے گی یعنی پیشہ وروں کی حکمرانی وغیرہ۔ ایک انارکسٹ کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ ان کے خلاف سرگرم رہے، حال اور مستقبل دونوں میں، اپنے اندر بھی اور دوسروں میں بھی۔

جائیداد:

انارکسٹ جائیداد کورد بھی نہیں کرتے تاہم اس کے بارے میں ہمارے مخصوص خیالات ہیں۔ایک معنوں میں جائیداد ڈاکہ ہے یعنی جب کوئی فرد دوسرے افراد کو ضرورت سے محروم کرتے ہوئے اپنے تخصیصی حقوق قائم کرلیتا ہے۔اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم کمیونسٹ ہیں، مراد یہ ہے کوئی بھی شخص جائیداد پر خصوصی حق نہیں رکھتا۔۔۔خواہ اس نے تعمیر کی ہے، اس نے موصول کی ہے، اس کو خریدا ہے، اس کو دی گئی تھی یا وہ اسے استعمال کررہا ہے یا وہ اس کی خواہش رکھتا ہے یا پھر اس کو قانونی حقوق حاصل ہیں۔اس کا انحصار صرف اس پر ہے کہ کیا اسے اس کی ضرورت ہے۔۔خاص کر کیا وہ دوسروں سے زیادہ ضرورت مند ہے۔یہ انصاف کے مجرد اصولوں یا قدرتی قوانین کا مسئلہ نہیں ہے، یہ انسانی یکجہتی اور واضح طور پر عقل سلیم کا دائرہ ہے کہ اگر میرے پاس روٹی کا ٹکڑا ہے اور بھوکے آپ ہوں تو یہ آپ کا حق ہے میرا نہیں ہے۔اگر میں ایک مکان کا مالک ہوں اور آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تو آپ کو کم از کم ایک کمرہ استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔اگر میں ایک عدد کوٹ کا مالک ہوں اور ٹھٹھر آپ رہے ہوں تو کوٹ کا تعلق آپ سے ہے۔ لیکن دوسرے معنوں میں پراپرٹی آزادی کا درجہ بھی رکھتی ہے۔۔۔اشیا سے نجی طور پر لطف اندوز ہونے کی آزادی وغیرہ۔ایسی صورت میں گھروں کی ایک بڑی تعداد اور ضروریات زندگی کی سپلائی افراد کی خوش گوار زندگی کے لیئے لازمی شرط ہوگی۔

انارکسٹ ایسی نجی جائیداد کے حق میں ہیں جسے ایک فرد دوسروں کے استحصال کے لئے استعمال نہ کرسکے، مثال کے طور پر ایسی ذاتی ملکیتی چیزیں جو ہم بچپن سے جمع کرتے آئے ہیں اور اب ہماری زہ گی کا حصہ بن چکی جاتی ہیں۔ہم جس کے خلاف ہیں وہ پبلک جائیداد ہے جو اپنی حیثیت میں قابل استعمال نہیں ہوتی اور صرف دوسروں کے استحصال کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جیسے زمین اور عمارتیں،، پیداوار اور نقل حمل کے ذرائع، خام مواد اور تیار شدہ اشیاء، روپیہ اور سرمایہ۔اس مسئلہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ایک فرد اسی پر حق رکھتا ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے نہ کہ دوسروں کی محنت سے حاصل کرتا ہے۔اسے اس چیز کا حق حاصل ہے جس کی اسے ضرورت ہو اور وہ استعمال میں بھی لاتا ہو لیکن وہ اشیا نہیں جن کو وہ استعمال نہیں کرسکتا اور جن کی اسے ضرورت بھی نہیں پڑتی۔اگر کسی بھی فرد کے پاس ضرورت سے زائد آجائے تو وہ اس کا ضیاع شروع کردیتا ہے یا وہ دوسروں کو استعمال سے روک دے گا۔

چنانچہ امراء کا اپنی جائیداد پر حق اس لئیے نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے افراد سے زیادہ محنت کی وجہ سے امیر ہوتے ہیں۔یہ اس لئیے ہے کہ دوسرے بہت سارے لوگ ان کے لئیے محنت کرتے ہیں اور غربا کا امیروں کی جائیداد پر حق اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ تھوڑی محنت کرنے کے باعث غربت کا شکار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اوروں کے لئیے محنت کرتے ہیں۔بلاشبہ غریب لوگ امرا سے زیادہ طویل گھنٹوں کے لیے بے معنی اور بور جگہوں پر کام کرتے ہیں۔کوئی بھی محض اپنی محنت کے بل بوتے پر دولت مند نہیں ہوتا اور نہ ہی دولت مند رہ سکتا ہے؛ صرف دوسروں کی محنت کا استحصال کرکے دولت حاصل کی جاتی ہے۔ایک فرد گھر کا یا زمین کے ٹکڑے کا مالک ہو سکتا ہے اور اپنے پیشہ وارانہ اوزار کا مالک یا پھر ساری زندگی گی صحت مند رہ سکتا ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق محنت بھی کرسکے لیکن یوں تھوڑا سا مزید پیدا کرکے بھی وہ محض اپنے خاندان کی ضرورت ہی پوری کرسکے گا اور خود انحصاری تک نہیں پہنچ پائے گا۔اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے دوسروں کی پیداوار پر انحصار کرنا پڑے گا اور اپنی پیداوار کا دوسروں سے تبادلہ کرے گا۔پبلک پراپرٹی صرف ملیکت کا مسئلہ نہیں یہ دوسروں پر اختیار یا ان کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔استحصال کرنے کے لئے جائیداد کی ملکیت ضروری نہیں۔امرا نے جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے لئیے ہمیشہ دوسرے لوگوں کو استعمال کیا ہے اور اب گمنام کارپوریشنیں اور ریاستی تجارت کے منصوبے انفرادی مالکوں کی جگہ لے رہے ہیں۔عام لوگوں کی محنت کا استحصال کرنے کے لیے لیڈر کا کردار نبھارہے ہیں۔ترقی یافتہ اور پسماندہ، سرمایہ دار اور کیمونسٹ دونوں ممالک میں ایک معمولی اقلیت ابھی تک مالک ہے اور عوامی کی ملکیت کا ایک غالب حصہ انہی کے تصرف میں ہے۔

بظاہر ایک سیاسی اور قانونی مسئلہ نظر آنے کے باوجود یہ ایک سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔زمین کا ٹھیکہ داری نظام، محصولات اکٹھے کرنے کا نظام یا وراثت کے قوانین یا دولت کی تقسیم مسئلے کی جڑ نہیں ہیں؛ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب تک چند لوگ دوسرے لوگوں کے لئیے محنت کرتے رہیں گے تب تک دوسروں کے تابع رہیں گے۔انارکسٹ کہتے ہیں کہ اگر ہم امرا اور طاقت ور لوگوں کے لیے کام کرنا بند کردیں تو جائیداد تحلیل ہوجائے گی اور حکمرانوں کی تعمیل چھوڑدیں تو اتھارٹی یا اختیارات ختم ہوجائیں گے۔انارکستوں کے نزدیک جائیداد کی جڑیں اتھارٹی میں پیوست ہیں، اور یہی سچ ہے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ لینڈ لارڈ کے لیے خوراک کون بہم پہنچاتا ہے یا ایک مزدور کی وجہ سے اس کے مالک کی جیب میں پیسے کیسے پہنچتے ہیں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں یہی اصل سیاسی نکتہ ہے۔

کچھ لوگ پراپرٹی کے مسئلے کا حل قوانین کی تبدیلی یا حکومت کی تبدیلی کی صورت میں تجویز کرتے ہیں، قانونی اصلاحات بروئے کار لاتے ہوئے یا انقلاب کے ذریعے سے۔انارکسٹ اس طرح کے حل پر یقین نہیں رکھتے لیکن سارے ایک حل پر متفق بھی دکھائی نہیں دیتے۔انارکسٹ ہر شے کی لوگوں میں مساوی تقسیم چاہتے ہیں تاکہ دنیا کی دولت میں سے ہر ایک کو برابر کا حصہ مل سکے اور دولت کا کثیر حصہ چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوسکے۔وہ پابندیوں سے آزاد تجارتی نظام چاہتے ہیں لیکن زیادہ تر انارکسٹوں کا اس پر بھی اعتبار نہیں۔وہ ہر حال میں ضرورت سے زائد جائیداد رکھنے والوں کی بے دخلی چاہتے ہیں تاکہ دنیا کی دولت تک ہم سب کی رسائی مساوی ہو اور زمینی دولت کا کنٹرول کمیونٹی کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن کم از کم اس بات پر بیشتر کا اتفاق ہے کہ جائیداد کا موجودہ نظام تباہ کردیا جائے تاکہ اتھارٹی اور حکمرانی کے موجودہ نظام سے بچا جاسکے۔

خدااورچرچ:

روائتی طور پر انارکسٹ پادریوں کے مخالف رہے ہیں اور دہریے رہے ہیں اور اسی شدت کے ساتھ ریاستی مذاہب کے بھی خلاف رہے ہیں۔وہ ہر طرح کی آقائیت کے خلاف ہیں۔انارکیت کی طرف پہلے قدم کے طور پر لوگ اپنا عقیدہ چھوڑتے ہیں اور پھر عقلیت پسندی اور انسانیت پسندی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔یوں روایتی اور مذہبی اتھارٹی رد کرنے سے انسانی اتھارٹی بھی رد ہوتی ہے۔آج کے دور میں سارے انارکسٹ ہی دہریے اور تشکیک پسند ہوتے ہیں تاہم مذہبی عناصر بھی موجود رہے ہیں لیکن وہ زیادہ تر انارکیت کے مرکزی دھارے سے باہر رہے۔اس کی واضح مثال عیسائیت کے کچھ انحرافی گروہ ہیں جنہوں نے انیسویں صدی سے پہلے انارکسٹ تصورات کی بنیاد رکھی۔اسی طرح انیسویں اور بیسویں صدی کے یورپ اور شمالی امریکہ میں، مذہبی امن پسندوں کے گروہ بھی اسی کی مثال ہیں، خصوصاً بیسویں صدی ابتدا میں ٹالسٹائی اور اس کے پیروکار، 1930 کے امریکہ میں کیتھولک چرچ کی تحریک نمایاں مثالیں ہیں۔امریکہ میں چرچ کے خلاف نفرت کی شدت میں کمی چرچ میں زوال کے سبب آئی ہے۔زیادہ تر انارکسٹ اب اسے ذاتی مسئلہ سمجھتے ہیں اور طاقت کے ذریعے مذہب کی حوصلہ شکنی کے مخالف ہیں، وہ طاقت کے بل بوتے پر مذہبی احیا کے بھی خلاف ہیں۔وہ ہر ایک کو اپنا عقیدہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں جب تک یہ دوسروں کے عقائد میں مخل نہ ہو۔مگر ان کے خیال میں چرچ کی طاقت موجودہ طاقت سے زیادہ نہیں بڑھنی چاہیے۔مذہب کی تاریخ بھی حکومت کی تاریخ کے لئے ایک ماڈل ہے؛ جب ایک بار یہ سوچ لیا گیا کہ معاشرہ مذہب کے بغیر چل سکتا ہے تو معاشرے کو حکومت کے بغیر بھی چلایا جائے، لہذا ہمیں اب ریاست کو تم کردینا چاہیے۔

جنگ اور تشدد:

انارکسٹ ہمیشہ جنگ کے خلاف رہے ہیں لیکن تشدد کی مخالفت پر سب متفق نظر نہیں آتے۔ وہ فوج کشی کے مخالف ہیں لیکن ضروری نہیں کہ امن کے خواہاں بھی ہوں۔ انارکسٹوں کے نزدیک جنگ کسی بھی کمیونٹی کی طرف سے اپنی حدود کے باہر حاکمیت قائم کرنے کی ایک شدید ترین مثال ہوتی ہے اور جنگ معاشرے کے باہر بھی طاقت حاصل کرنے کی تحریک ہے۔ منظم تشدد اور جنگ کی تباہ کاریاں منظم ریاست کے ورثن یا پہلو ہیں۔ اسی طرح جنگ ریاست کو صحت عطا کرتی ہے۔ انارکسٹ تحریک جنگ کی تیاری اور جنگ کے خلاف مزاحمت کی ایک مضبوط روایت رکھتی ہے۔ کچھ انارکسٹ جنگ کے حامی بھی رہے لیکن وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی نظر میں باغی رہے۔ قومی جنگوں کی مخالفت انارکسٹ صفوں میں اتحاد کا ایک بنیادی نکتہ ہے۔

لیکن انارکسٹ طبقات کے درمیان سول وار اور قوموں کے درمیان جنگ کے میں تفریق کرتے ہیں۔ انارکسٹوں نے بغاوتوں اور خانہ جنگیوں میں مثالی کردار ادا کیا ہے، خاص کر روس اور سپین میں۔ وہ ان محاذ آرائیوں کا حصہ ہونے کے باوجود بھی اس دھوکے کا شکار نہیں ہوئے کہ محض جنگ کے نتیجے میں ہی انقلاب آجائے گا؛ تشدد پرانے نظام ختم کرنے کے لئیے ضروری ہو سکتا ہے لیکن یہ نئے نظام کی تشکیل کے لئے بے فائدہ اور نقصان دہ ثابت ہو گا۔ عوامی فوج ایک حد تک حکمران طبقے کو ختم کر سکتی ہے لیکن آزاد معاشرے کی تشکیل میں معاون نہیں ہو گی۔ جنگ میں فتح اس وقت تک لا حاصل ہو گی جب تک آپ امن حاصل نہ کر سکیں۔

کئی انارکسٹوں نے سوال اٹھایا ہے کہ تشدد کا آیا کوئی مثبت کردار بھی ہوتا ہے۔ ریاست کی طرح یہ ایک نیوٹرل قوت نہیں ہوتی کہ جس کے نتائج کا انحصار اس بات پر ہو کہ استعمال کون کر رہا ہے اور ط یہ صرف اس لیے درست نہیں ہو گا کہ تشدد کرنے والے درست لوگ ہیں۔، لیکن ایک مظلوم کا تشدد ایک ظالم کے تشدد جیسا نہیں ہوتا؛ اگر یہ تکلیف دہ اور اذیت ناک صورتحال سے نکلنے کا بہترین طریقہ ہو تو بھی یہ دوسرے درجے کا بہترین طریقہ ہی قرار پائے گا۔ تشدد موجودہ معاشرے کا ناخوشگوار پہلو بھی ہے، اس کا مقصد جس قدر بھی بھلا ہو یہ ایک ناخوشگوار پہلو ہی رہے گا۔ یہ موزوں ترین صورت حال میں بھی مقاصد کو تباہ کر دیتا ہے جیسا کہ انقلاب کی صورت حال میں۔ تاریخ کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ تشدد انقلاب کی ضمانت نہیں ہو سکتا، اس کے برعکس، جتنا تشدد زیادہ ہو گا انقلاب اس قدر کم ہو گا۔

غیر انارکسٹ افراد کو یہ باتیں بے معنی محسوس ہوں گی۔ انارکستوں کے خلاف پائے جانے والے تعصبات میں سے اہم ترین تعصب بھی یہی ہے کہ انارکسٹ متشدد ہوتے ہیں، ان کا اپنے لباس میں بم چھپائے پھرنا ایک 80 سال پرانا تعصب ہے لیکن ابھی تک توانا ہے۔ بہت سے انارکسٹوں نے تشدد کی حمایت کی اور کچھ عوامی شخصیات کے قتل میں بھی ملوث رہے ہیں، سپین میں عوام کو دہشت زدہ کرنے کی حمایت بھی کی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نظام کو تباہ کرنے کے لئے یہ انارکیت کا ایک تاریک پہلو ہے۔ یاد رہے یہ محض اس کا ایک روپ ہے اور غیر اہم بھی ہے۔ زیادہ تر انارکسٹوں نے غیر ضروری تشدد کی مخالفت کی ہے۔ تشدد صرف اس صورت میں وقوع پذیر ہوتا ہے جب لوگ حکمرانوں اور تشدد کرنے والوں سے چھٹکارا پا رہے ہوں۔

تشدد کے مرکزی آلہ کار ایسے افراد رہے ہیں جو حکمرانی کی اتھارٹی کو قائم رکھتے ہیں اور وہ نہیں ہیں جو اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک صدی قبل مایوسی سے بے بس، جنوبی یورپ کے نوجوان بڑے بم باز نہیں تھے؛ دنیا کی تاریخ میں ہر ملک کی فوجی مشینری ہی متشدد رہی ہے۔ کوئی بھی انارکسٹ حملے اور بم کی ہمسری نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہٹلر یا سٹالن کا کسی غاواشول یا بونو سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم کارکنوں کو فیکٹریوں اور زمین پر قبضہ کرنے، کھڑکیاں توڑنے یا مزاحمتی مورچے بنانے کی ہمت افزائی تو کر سکتے ہیں لیکن انارکسٹوں کے پاس بم، طیارے، پولیس، جیلیں، فائرنگ اسکواڈ، گیس چیمبر اور پھانسی دینے والے نہیں ہوتے۔ ان انارکسٹوں کے نزدیک تشدد ایک فرد کی طرف سے دوسرے کے خلاف طاقت کے استعمال کی انتہائی شکل ہے اور انارکسٹ ہر طرح کی انتہا پسندی کے خلاف ہیں۔

کچھ انارکسٹ امن پسند رہے ہیں گو یہ رویہ زیادہ عام نہیں ہے۔ کئی امن پسندوں نے بھی انارکی اختیار کی ہے۔ کئی انارکسٹ امن پسندی کی طرف مائل ہو رہے ہیں باوجودیکہ دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ خاص طور پر گاندھی اور ٹالسٹائی کی جارحانہ امن پسندی کی طرف راغب ہوئے ہیں، عدم تشدد کو ایک بلاواسطہ تیکنیک استعمال کرتے ہوئے۔ بہت سے انارکسٹوں نے جنگ مخالف تحریکوں میں حصہ لیا اور ان پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ انارکسٹوں کی کثیر تعداد ہمیشہ امن پسند تحریکوں میں شامل رہی ہے تاہم بیشتر انارکسٹ۔۔۔ امن پسندی میں سنجیدہ دلچسپی رکھنے والے انارکسٹ بھی۔۔۔ اس تحریک کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہیں، خاص کر ہر طرح کے حالات میں، ہر طرح کے افراد سے اور ہر طرح کے تشدد کے مکمل خاتمے کے حوالے سے اسے بے محل سمجھتے ہیں۔ وہ اس نکتہ نظر کو محدود سمجھتے ہیں کہ تشدد کے خاتمے سے ہی معاشرے کی کایا کلپ ہو جائے گی۔ امن پسند تشدد کو اتھارٹی کا ایک کمزور پہلو سمجھتے ہیں جبکہ انارکسٹوں کے نزدیک تشدد اتھارٹی کا ایک طاقتور جزو ہے۔ وہ امن پسندی کے اخلاقی پہلو سے بیزاری محسوس کرتے ہیں اور خاص کر خود راست بازی، راہبانیت اور زندگی کی نزاکت بھری تشریحات اور نکتہ نظر کے خلاف ہیں۔ مختصرا" انارکسٹ فوج بندی کے قطعی خلاف تو ہیں لیکن امن پسند نہیں ہوتے۔

فرد اور معاشرہ:

نوع انسانی کی بنیادی اکائی یعنی افراد ہی انسانی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کے سوا کچھ نہیں۔ معاشرے کا بنیادی مقصد انسانوں کو بھرپور زندگی مہیا کرنا ہے۔ انارکسٹ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ لوگوں کے کچھ فطری حقوق بھی ہیں مگر اس اصول کا اطلاق ہر فرد پر ہو گا؛ افراد حقوق کے مالک نہیں ہوتے لیکن کسی دوسرے کو بھی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی فرد کو کسی کام سے روکے۔ کوئی عمومی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی سماجی اقدار جنہیں ہمیں ماننا چاہیے۔ ہم برابر ہیں لیکن مماثل نہیں ہیں۔ مقابلہ اور باہمی مدد، برداشت اور عدم برداشت، علم پسندی اور بغاوت یہ سب قدرتی طرز عمل کی شکلیں ہیں لیکن اس میں سے کچھ بھرپور زندگی میں معاون اور کچھ رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ انارکسٹوں کے نزدیک اس صورت حال کی ضمانت دینے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہر ممبر کے لئے یکساں آزادی یقینی بنائی جائے۔

اس لیے اخلاقیات کے روایتی مفہوم میں ہمارے پاس کوئی وقت نہیں۔ ہماری اس میں دلچسپی نہیں کہ لوگ اپنی زندگی میں کیا کرتے ہیں اور ہر فرد کو وہ کچھ کرنے کی آزادی ہونی چاہئے جو وہ کرنا چاہے۔ بناؤ سنگھار، زبان و ادب وغیرہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات ذاتی ترجیحات کی ذیل میں آتے ہیں۔ جنسی معاملات بھی اسی طرح ہیں۔ ہم آزاد محبت کے قائل ہیں لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم رنڈی بازی، لذت پسندی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم محبت میں آزاد ہیں۔ طوائف بازی اور زنا کے سوا ہم اپنا طرز عمل اختیار کرنے میں آزاد ہیں۔

پر لطف زندگی اگرایک فرد کے لئے موزوں ہوسکتی ہے توپرہیزگاری کی زندگی دوسرے افراد کے لیے قابل ترجیح ہوسکتی ہے۔انارکسٹوں کے نزدیک ایسی دنیا بہتر ہوگی جس میں لوگ جبلتوں کے مطابق زندگی گزار سکیں، نتیجے میں حسد سے جنم لینے والی افواہ بازی کم ہو۔دوسرے معاملات پر بھی اسی اصول کااطلاق ہوتاہے لوگ خود کو شراب یا کیفین، چرس یا بھنگ یا دوسری چیزوں میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ہم انہیں سزادیناتو درکنارانہیں منع بھی نہیں کر سکتے، ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں۔اسی طرح ہر فرد کواجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی مرضی سے عبادت اختیار کر سکے یا اپنے لیئے کسی مختلف طرز زندگی کاانتخاب کر سکے۔

اس سے فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ناراض ہوں،اہم یہ ہے کہ لوگوں کو نقصان نہیں پہنچناچاہئے۔افراد کے ذاتی کردار کے بارے میں تشویش نہیں ہونی چاہیے، تشویش صرف ایک طاقت پرست معاشرے میں پائی جانے والی مجموعی ناانصافی کے بارے میں ہونی چاہیے۔بلاشبہ انسانی آزادی کی سب سے بڑی دشمن ریاست کی غلبہ کن قوت ہے۔ مگر انارکسٹ غلبے کی ہر دوسری صورت کے بھی خلاف ہیں جوافراد کی آزادی کو محدود کر سکتی ہے۔۔۔وہ خاندان میں،اسکول میں، کام کی جگہ پر، ایک فرد کو آزادی بہم پہنچانے والی ہر کوشش کے ساتھ کھڑے ہیں۔یہ سمجھنے کے لئے کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی فراہم کرنے کے لئے معاشرہ کس طرح تشکیل دیا جائے ہمیں جائزہ لیناہوگا کہ فرد اور معاشرے کے درمیان تعلقات کن بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں۔

انارکسٹوں کے اختلافات

انارکسٹ باہمی اختلافات کیوجہ سے بدنام زمانہ شہرت رکھتے ہیں۔ لیڈر شپ، درجہ بندی، روایات، سزا و جزا، پالیسی اور پروگرام وغیرہ جیسے تصورات یکسر رد کرنے کے باعث یہ اختلافات قدرتی دکھائی دیتے ہیں اور اگر مقصد بھی اتھارٹی کی مکمل نفی ہو تو ان کا مستقل عدم اتفاق کی حالت میں رہنا ایسی کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں۔ اس کے باوجود انارکیت پسندی کی کئی ایک مکمل شکلیں ہیں جن کے حوالے سے انارکسٹ اپنی انارکی کا اظہار کرتے ہیں۔

فلسفیانہ انارکیت پسندی:

فلسفیانہ انارکیت پسندی ہی انارکیت کی بنیادی شکل ہے۔ اس نظریے کی رو سے ریاست کے بغیر آزاد سماج کا تصور خوش کن تو ہے لیکن ابھی قابل خواہش نہیں یا کم از کم ابھی قابل عمل نہیں ہے۔ 1840 سے پہلے کی انارکسٹ تحریروں میں یہی تصور غالب رہا جس کی وجہ سے انارکیت ریاست کے لئیے ایک سنجیدہ خطرہ بننے میں ناکام رہی۔ یہ رویہ ابھی تک کچھ ایسے افراد کی سوچ پر غالب ہے جو انارکسٹ تو ہیں لیکن منظم تحریک سے باہر ہیں اور تحریک میں شامل چند افراد کی فکر کا حصہ بھی ہے۔ بیشتر صورتوں میں یہ ایک لاشعوری رویہ ہوتا ہے جس طرح "خدا کی سلطنت" کی طرح انارکیت بھی محض باطنی دنیا کا حصہ ہو اور یہ کسی نہ کسی طریقے سے اس طرح کے پیرائے میں اظہار پاتا ہے "میں ایک انارکسٹ ہوں لیکن۔۔۔"

عملی رحجان رکھنے والے انارکسٹ فلسفیانہ انارکی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ قابل فہم تو ہے لیکن ساتھ ہی بد قسمتی بھی ہے۔ جب تک انارکیت ایک اقلیتی تحریک رہے گی اس کی حمایت میں ایک مثبت احساس۔۔، مبہم ہونے کے باوجود ایک ایسی ذہنی فضا تشکیل دینے میں مددگار ہوگا جو انارکسٹ پراپیگنڈے میں دلچسپی کے لئے راہ ہموار کرے اور اس طرح تحریک آگے بڑھے۔ دوسری طرف فلسفیانہ انارکیت زمینی/ حقیقی انارکیت کی تفہیم کے لئیے حساسیت بھی ختم کر کے کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود فلسفیانہ انارکیت مکمل لاتعلقی کے رویے سے تو بہر صورت بہتر ہے۔ اسی طرح کئی دوسرے افراد۔۔ نکتہ نظر سے ہمارے قریب ہونے کے باوجود خود کو انارکسٹ کہنے سے گریز کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ، کچھ بھی کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان سب کا کردار یہ بنتا ہے کہ وہ انارکی میں مثبت دلچسپی رکھنے والے سامعین کی ایک تعداد مہیا کریں اور اپنی زندگی میں آزادی کے لیے کام کریں۔

انفرادیت پسندی، انانیت پسندی اور آزادی پسندی:

اس نکتہ نظر کے مطابق معاشرہ ایک نامیاتی کل نہیں بلکہ آزاد افراد کا ایک مجموعہ ہے جو اپنی انفرادی حثیت میں معاشرے کی طرف کوئی فرائض نہیں رکھتے بلکہ محض افراد کے طور پر ہی دوسرے افراد کی طرف فرائض رکھتے ہیں۔ یہ تصور انارکیت سے قبل ایک طویل عرصے تک موجود رہا ہے اور اب بھی انارکیت سے الگ اپنی آزاد شناخت رکھتا ہے۔ انفرادیت پسندی کی رو سے معاشرہ تشکیل دینے والے افراد ہمیشہ آزاد اور برابر ہونے چاہیں اور اس ح میں وہ صرف اپنی انفرادی کاوشوں سے ہی رہ سکتے ہیں، اداروں (ریاستی اور دیگر ادارے) کی کوششوں/ مداخلت سے نہیں۔ اس نکتہ نظر کی ترویج انفرادیت پسندی کو حقیقی انارکی کے قریب تر کرتی ہے۔

انارکیت پسندی کو اپنی کتاب "سیاسی عدل پر ایک تحقیق" (1793) میں ایک اہم نظریے کی صورت میں پیش کرنے والا پہلا فلسفی ولیم گاڈون ایک انفرادیت پسند بھی تھا۔ انقلاب فرانس کے حامیوں اور مخالفین کے رد عمل میں اس نے حکومت کے بغیر، معمولی تنظیم کے ساتھ ایک ایسے سماج کا تصور پیش کیا جس میں خود مختار افراد کسی بھی مستقل ادارے/ تنظیم کی دست برد سے محفوظ زندگی گزار سکیں۔ مختلف تبدیلیوں کے باوجود ابھی تک یہ تصور انفرادیت پسندانہ انارکیت کی بنیاد ہے۔ یہ دانشوروں، فن کاروں، صحافیوں کی انارکیت ہے جو تنہا کام کرتے ہیں اور خود کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں۔ گاڈون سے اب تک انفرادیت پسندی نے خاص کر برطانیہ اور شمالی امریکا میں شیلے، آسکر وائلڈ، ایمرسن، تھورو، اگست جان اور ہربرٹ ریڈ کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ یہ تمام خود کو کسی بھی لقب سے یاد کریں لیکن ان میں انفرادیت پسندی اپنی جھلک دکھاجاتی ہے۔

انفرادیت پسندی کو انارکیت کی محض ایک قسم تک محدود رکھنا درست نہیں، انارکیت کی تحریک پر اس کے گہرے اثرات ہیں۔ انارکی کے کسی بھی اظہار یا تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادیت پسندی انارکسٹ آئیڈیالوجی میں مبادیات کا درجہ رکھتی ہے۔۔ کم از کم انارکی پھیلانے کے لئی محرکات کے حوالے سے ہی۔۔۔ انفرادیت پسند بنیادی انارکسٹ ہیں اور رہے بھی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ کسی شے کو اس کے مقام پر رہنے دیا جائے اور وہ اتھارٹی/ حاکمیت کی تباہی چاہتے ہیں۔ تاہم انسان کے بارے میں یہ نکتہ نظر اپنی حد تک کافی اہمیت کا حامل ہو تو بھی اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ معاشرے کے حقیقی مسائل سے الجھ سکے۔ یہ مسائل لامحالہ انفرادی عمل کی بجائے اجتماعی اقدامات کے متقاضی ہیں۔ تنہا ہم خود کو بچا سکتے ہیں لیکن دوسروں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

انفرادیت پسندی کی ایک انتہائی اہم شکل انانیت پسندی ہے جسے فرانسیسی فلسفی جوزف سٹرنر نے اپنی کتاب "انا اور اس کی ملکیت" میں پیش کیا (جس کا بہتر ترجمہ "انا اور اس کے تصرفات" ہونا چاہیے تھا)۔ وہ ایک مشکل پسند فلسفی اور مفکر ہے اور فرائیڈ یا مارکس کی طرح سٹرنر کے حواریوں کو بھی ناراض کیے بغیر اس کی تشریح ایک مشکل کام ہے۔ تاہم یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کی انانیت پسندی، انفرادیت پسندی سے جدا شناخت رکھتی ہے۔ سٹرنر اخلاقیات، انصاف، فرائض، عقل اور اس طرح کے دوسرے تجریدی تصورات کو ایک وجدانی احساس کی بنا پر فرد کی انفرادیت/ انانیت کے حق میں رد کرتا ہے۔ اس طرح "یونیک انا" کے بالمقابل ریاست کا تصور بھی بطور ایک تجرید باطل ٹھہرتا ہے۔ سماج کو بھی رد کرتے ہوئے یہ انانیت پسندی ایک معدومیت کی راہ دکھاتی ہے اور محض فرد کی موجودگی کے اثبات پر منتج ہوتی ہے۔ واضح طور پر یہ انارکیت ہی ہے لیکن ایک بانجھ انارکیت کیونکہ اس کی رو سے 'انا پرستوں کی یونین' کے سوا ہر تنظیم اور ادارہ خارجی جبر کا ذریعہ قرار پائے گا۔ یہ شاعروں اور منحرفین کی انارکیت ہے جو صرف حتمی جواب چاہتے ہیں اور کسی بات پر سمجھوتا نہیں کرتے۔ "ابھی اور اسی وقت" کی بنیاد پر انارکی چاہتے ہیں، دنیا میں نہیں تو اپنی ذات میں ہی سہی۔

انفرادیت پسندی سے جنم لینے والی قدرے اعتدال پسند تحریک آزادی پسندی یا اختیار پسندی (Libertarionism) ہے۔ سادہ ترین مفہوم میں اس سے مراد یہ ہے کہ آزادی مثبت قدر ہے اور ایک قدرے انتہا پسندانہ نکتہ نظر سے آزادی کا حصول ہی سب سے اہم سیاسی کی مقصد ہے۔ آزادی پسندی انارکیت کی ایک مخصوص شکل نہیں بلکہ مکمل انارکیت کی طرف ایک قدم ہے۔ بسا اوقات اسے انارکیت کے متبادل کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے،

خاص کر جب جذباتی اصطلاحات سے گریز ضروری ہو۔اس سے مراد۔۔انار کیت کے مجموعی/کلی تصور سے صرف نظر کرتے ہوئے۔۔کسی خاص شعبے میں انار کسٹ نظریات قبول کرنا ہے۔اصطلاح "انفرادیت پسند ہی آزادی پسند ہیں مگر آزادی پسند سوشلسٹ یا آزادی پسند کمیونسٹ ایسے افراد ہیں جو سوشلزم یا کمیونزم کو انفرادیت کی اساسی قدر کے طور پر شناخت کرتے ہوں۔

باہمیت اور وفاقیت. Mutualism and Federalism

جب انفرادیت پسند اپنے تصورات کو عملی شکل دیں تو اس کے نتیجے میں جنم لینے والی انار کیت باہمیت کہلائے گی۔اس کے مطابق ریاست پر انحصار کرنے کی بجائے سماج کو افراد کے ذریعے اس طرح منظم کیا جائے کہ لوگ برابری اور باہمی تعاون کو بنیاد بناتے ہوئے رضاکارانہ طور پر ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ معاہدے کریں۔ باہمیت کسی بھی ایسے ادارے کی خصوصیت ہو سکتی ہے جو انسانوں کی جبلی سطح سے قدرے بلند اور سرکاری اداروں سے کم درجے پر ہو۔ گو باہمیت اپنی روح میں لازمی طور پر انار کیت نہیں ہے لیکن تاریخی طور پر اس کا انار کیت کی ترقی میں اہم کردار رہا ہے۔ معاشرے کی تشکیل کی تمام انار کیت پسندانہ تجاویز باہمیت کے تصور پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔ خود کو پہلی بار دانستہ "انار کسٹ کہنے والا فرانسیسی فلسفی جوزف پرودھون باہمیت کا ماننے والا تھا۔انیسویں صدی کے یوٹوپیائی اور انقلابی سوشلسٹوں کے رد عمل میں اس نے آزاد افراد مشتمل ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کیا جس میں مختلف گروہ باہمی تعاون سے معاملات زندگی حل کریں اور صرف محنت کی قدر کو بنیاد بناتے ہوئے ضروریات زندگی کا باہمی تبادلہ کریں، عوامی بنک کے ذریعے مفت قرضے کا تبادلہ کریں۔ یہ دست کاروں اور ہنر مندوں، چھوٹے تاجروں، دوکانداروں اور ایسے دوسرے افراد کی انار کیت ہے جو اپنے معاملات میں خود مختاری چاہتے ہیں۔ پرودھوں کے احتراز کے باجود، انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں فرانس میں اس کا خاطر خواہ اثر تھا۔ خاص کر ہنر مندوں، کارکنوں اور نچلے اور درمیانے طبقے میں پرودھوں کے کافی حامی موجود تھے۔ شمالی امریکہ میں بھی باہمیت کی پذیرائی موجود تھی مگر برطانیہ میں اس کا اثر کم رہا۔ بعدازاں باہمیت کا تصور ایسے سنکی لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا جن کی وجہ سے تحریک نظام زر میں اصلاحات اور خود انحصار - برادریوں کی حمایت تک محدود ہو کر رہ گئی۔ان اصلاحات سے نتائج تو ضرور برامد ہوئے لیکن معاشرے کے بنیادی ڈھانچے پر خاطر خواہ اثر نہ ہو سکا۔انسان کے بارے میں یہ تصور ایک حد تک وسیع ضرور ہے مگر اتنا جامع نہیں کہ سرمائے اور صنعت کے مسال سے الجھ سکے اور ان مسال پر غالب طبقاتی نظام اور خاص کر ریاست سے بھی نبٹ سکے۔

باہمیت کوآپریٹو تحریک کا بنیادی اصول ہے لیکن کوآپریٹو تنظیمیں جمہوری خطوط پر استوار ہیں نہ کہ انار کسٹ اصولوں پر۔ انار کیت پسندانہ باہمیت پر استوار معاشرہ بلا شبہ ایک ایسا معاشرہ ہو گا جس میں ہماری اجتماعی سرگرمیاں کوآپریٹیو کے ہاتھوں میں ہوں گی اور مستقل بنیادوں پر منتخب کردہ مینیجر اور کارکنوں کے ہاتھوں میں نہیں۔ معاشی باہمیت کو ہم افسر شاہی کے بغیر کواپیرٹیو پسندی یا منافع کے بنا سرمایہ داری کی تحریک بھی کہہ سکتے ہیں۔

باہمیت پسندی کی بنیاد اگر معاشیات کی جگہ جغرافیہ یا علاقائی حوالوں پر استوار ہو تو اسے **وفاق** کہا جائے گا۔اس نکتہ نظر سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کو مقامی کمیونٹی تصور کرنے کی بجائے وسیع سطح پر کونسلوں کے ایک نیٹ ورک کی مدد سے استوار کیا جائے۔ان کونسلوں کی تشکیل مختلف علاقوں کی بنیاد پر کی جائے جو خود (کونسل) بھی ایک بڑے علاقے کی نمائندگی پر مشتمل ہوں۔انار کیت کے وفاقی تصور کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ ان کونسلوں کے نمائندے انتظامی اختیارات کے مالک نہیں ہوں گے اور انہیں فوری طور پر طلب کیا جا سکے گا۔ کونسل کی کوئی مرکزی اتھارٹی نہیں ہو گی صرف ایک مرکزی سیکرٹیریٹ ہو گا۔ پرودھوں نے سب سے پہلے باہمیت پسندی کی تشریح کی اور ساتھ ہی اس نے اپنی کتاب "وفاقی اصول" (1863) میں وفاق پسندی کے اصولوں کی بھی تشریح و توضیح کی۔ محنت کش تحریک میں متحرک اور دوسرے پیروکار وفاق پسند اور باہمیت پسند کہلائے۔ پہلی انٹرنیشنل اور پیرس کمیون میں سرگرم۔۔ فکری حوالے سے جدید انار کسٹ تحریک کے پیشرو۔۔۔ یہ لوگ خود کو زیادہ تر وفاقیت پسند کہتے تھے

وفاقیت انار کیت پسندی کی ایک الگ قسم ہونے سے بڑھ کر انار کیت کا لازمی جزو ہے۔ تقریباً" سبھی انار کسٹ وفاقیت پسند کہلاتے ہیں، مگر کوئی بھی خود کو صرف وفاقیت پسند کہنے پر اکتفا نہیں کرے گا۔ وفاقیت بہر حال ایک عمومی اصول ہے جو صرف انار کیت پسندی تک محدود نہیں اور یہ کوئی یوٹوپیائی پہلو بھی نہیں رکھتا۔ ریلوے، بحری تجارت، ہوائی ٹریفک، پوسٹل سروس، ٹیلی گراف اور ٹیلی فون، سائنسی تحقیقات، فاقہ کشوں کو مدد پہچانا، آفات کی تلافی وغیرہ اور دنیا بھر میں پھیلی ہوئی اس نوعیت کی سرگرمیوں میں ربط و تنظیم پیدا کرنے والی دیگر تنظیموں کا ڈھانچہ بھی وفاقی ہوتا ہے۔انار کسٹوں نے اس میں صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ سسٹم داخلی معاملات درست کرنے میں بھی معاون ہو گا۔ بہر صورت وفاقیت کا اصول ایسی رضاکارانہ تنظیموں کے حوالے سے درست ہے جو مالی طور سے فائدہ مند یا سیاسی طور پر حساس موضوعات سے متعلق نہیں ہو تیں۔

اجتماعیت-پسندی، کمیونزم، سنڈیکلیت Collectivism, communism,syndicalism

انفرادیت پسندی اور باہمیت پسندی کی نسبت زیادہ وسیع؛ طبقاتی نظام اور ریاست دونوں کے لیے خطرہ تصور کی جانے والی انار کیت کو اجتماعیت پسندی کا نام دیا گیا ہے۔اس نکتہ نظر کے مطابق معاشرے کی تشکیل نو کی واحد صورت صرف یہ ہے کہ محنت کش طبقہ سماجی انقلاب کے ذریعے ریاستی ڈھانچہ تباہ کرتے ہوئے معاشی وسال کا اختیار سنبھال لے اور پھر مشترکہ ملکیت کے اصول پر معیشت کی از سر نو تعمیر کرے۔ معاشرے کی یہ نئی تنظیم لوگوں کی انجمنوں کے ذریعے کی جائے گی۔ آلاتِ محنت قومی ملکیت میں ہوں گے لیکن محنت کی پیداوار اس اصول کے تحت تقسیم ہو گی، "ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق لیکن ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق"۔ دور جدید کے اولین انار کسٹ باکونن پہلی انٹرنیشنل میں اجتماعیت پسند کی وجہ سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ اصلاح پسندوں، باہمیت پسندوں، وفاقیت پسندوں اور حکم پسندوں، بلانکسٹوں اور مارکسیوں کے رد عمل میں انہوں نے انقلابی انار کیت کا ایک سادہ نظریہ پیش کیا جو پرولتاریہ اور غریبوں کی طبقاتی جدوجہد کی بنیاد پر امیروں کے خلاف اجتماعی بغاوت کی انار کیت ہے اور کسی بھی حکم پسندانہ درمیانی مرحلے (سوشلسٹ ریاست کا قیام) کے بغیر ایک آزاد اور غیر طبقاتی معاشرے میں فوری تبدیلی کی انار کیت ہے۔ یہ طبقاتی شعور رکھنے والے کارکنوں اور کسانوں، محنت کش تحریک میں متحرک کارکنوں اور سوشلسٹوں کی انار کیت ہے جو بیک وقت برابری اور آزادی دونوں کے لیئے متحرک ہیں.

انار کیت یا انقلابی اجتماعیت کو مقبول عام فبئین اور سوشل ڈیموکریٹس کی حاکیت پسند اور اصلاح پسند اجتماعیت کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے جو ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کے ساتھ ساتھ پیداوار کے ریاستی کنٹرول پر بھی یقین رکھتی ہے۔ اصطلاح میں ابہام، اور انار کسٹوں، سوشلسٹوں ں کے درمیان قربت کے باعث ایک بہتر اصطلاح آزادی پسندانہ سوشلزم ہو گی۔ یہ اصطلاح صرف ایسے انار کسٹوں کو ہی شامل نہیں کرتی جو سوشلسٹ ہوں بلکہ ایسے سوشلسٹوں کا حوالہ بھی ہے جو انار کیت طرف جھکاؤ رکھتے ہیں لیکن پوری طرح انار کسٹ نہیں ہوئے۔

اجتماعیت کے مکمل اطلاق کے نتیجے میں جنم لینے والی انارکیت کو کمیونسٹ انارکیت کا نام دیا گیا ہے۔اس نکتہ نظر کے مطابق محض پیداواری آلات ہی نہیں بلکہ پیداوار بھی اجتماعی ملکیت میں ہونی چاہیے اور لوگوں میں اس کی تقسیم اس اصول کے تحت ہو کہ "ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق"۔ کمیونسٹ دلیل کچھ یوں ہو گی کہ لوگوں کو اپنی محنت کی پوری قدر کا حق حاصل ہے لیکن کسی ایک فرد کی محنت کی قدر کا تخمینہ ممکن نہیں کیونکہ ہر فرد کی محنت تمام افراد کی مجموعی محنت میں شامل ہوتی ہے، دوسرے مختلف کام مختلف طرح کی قدر رکھتے ہیں۔اس لیے بہتر یہ ہو گا کہ معاشیات پر پورے معاشرے کا کنٹرول ہو اور تنخواہوں اور قیمتوں کے نظام کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے شروع میں انارکسٹ تحریک کی بیشتر سرکردہ شخصیات کمیونزم سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ ان میں کرپاٹکن، مالتیستا، ریکلیس، گریو، فورے، گولڈمین، برک مین، راکر اور کئی دوسرے اہم رہنما شامل ہیں۔ان راہنماؤں نے کمیونزم کی پیروی اور مارکیسٹ کے رد عمل میں انقلابی انارکیت کے انتہائی موثر اور دوررس اصول وضع کیئے؛ایسی انارکیت جو موجودہ سماج کو انتہائی مدبرانہ انداز میں ہدف تنقید بناتی ہے اور مستقبل کے معاشرے کے لیئے بامعنی تجاویز کی داعی بھی ہے۔ یہ ان لوگوں کی انارکیت ہے جو طبقاتی جدوجہد کو تو مانتے ہیں لیکن معاشرے کا ایک جامع تصور بھی رکھتے ہیں۔اگر اجتماعیت پسندی محنت/کام کے مسائل پر اصرار اور کارکنوں کی اجتماعی (تنظیموں) پر اپنے انحصار کی وجہ سے ایک انقلابی انارکیت ہے تو کمیونزم زندگی کے مسائل اور **عوامی کمیونٹی** کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک انقلابی انارکیت ہو گی۔
1870 کے بعد کمیونزم کے اصول انقلاب کی حمایت کرنے والی بیشتر انارکسٹ تنظیموں نے قبول کر لیئے تھے مگر ایک اہم استثنا سپین کی انقلابی تحریک رہی جس نے باکونن کے اثرات کے تحت اجتماعیت پسندی کے اصول اپنائے رکھے۔ در حقیقت اس تنظیم کے مقاصد بھی دوسری تحریکوں سے بمشکل مختلف تھے۔اگر تحریکی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو 1936 میں ہسپانوی انقلاب کے دوران قائم ہونے والی تنظیم "کمینسٹولبرٹو" تاریخ میں انارکسٹ کمیونزم کی ایک نمائندہ مثال بنے گی۔

انارکسٹوں اور آزادی پسند کمیونسٹوں کو ایک مقبول عام اصطلاح مارکسی کمیونزم کے ساتھ بھی مبہم نہیں کیا جانا چاہیئے جو معاشی ذرائع کی اجتماعی ملکیت، آلات پیداوار اور تقسیم کے ریاستی کنٹرول اور اس کے ساتھ پارٹی ڈکٹیٹر شپ پر بھی انحصار کرتی ہے۔ پہلی اور دوسری انٹرنیشنل میں مارکسیوں کے ساتھ نظریاتی کشمکش اور اسکے نتیجے میں انارکسٹ تحریک کا تاریخی جنم، دراصل انارکسٹوں کے حکم پسندانہ نظریات کے خلاف خبط کا اظہار ہے جسے روسی اور ہسپانوی انقلابات نے پختہ شکل اختیار کرنے میں بنیاد فراہم کی۔اس کے نتیجے میں کئی انارکسٹ خود کو کمیونسٹ کہتے ہیں لیکن اس کی وجہ کمیونزم پر اعتماد نہیں ہے بلکہ مارکسسٹوں کو ان کی اپنی بنیادوں پر چیلنج کرنا اور عوام کی آنکھوں میں کم تر ثابت کرنا ہے۔شاذ و نادر ہی انارکسٹ کمیونسٹ ہوتے ہیں کیونکہ وہ حد سے زیادہ انفرادیت پسند ہیں، دوسرے وہ کسی بھی مستقبل کا ایک تفصیلی خاکہ تیار کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تاکہ مستقبل کے مطابق اپنے حالات ترتیب دینے کی آزادی قائم رہے۔

اجتماعیت پسندی اور کمیونزم کی طرف سے لیبر کو خصوصی طور پر مرکزی نکتہ بنانے سے جو انارکیت ابھرتی ہے اسے سنڈیکلیت کہا جاتا ہے۔اس نکتہ نظر کی رو سے معاشرہ ٹریڈ یونینز پر مشتمل ہونا چاہیئے تاکہ معاملات میں محنت کش طبقے کا فیصلہ کن کردار رہے۔ٹریڈ یونین کو علاقے اور پیشے دونوں کی بنیاد پر از سر نو منظم کیا جائے۔مزید، اصلاح کا پروگرام بھی محنت کشوں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ معیشت کے تمام پہلو کارکنوں کے حوالے سے منظم ہوں۔

انیسویں صدی کے فکری رجحان کے پس منظر میں، بیشتر اجتماعیت پسند اور کئی انارکسٹ بھی سنڈیکلیٹ سے. وابستہ. تھے۔ یہ بات پہلی انٹرنیشنل کے حوالے سے کافی حد تک درست ہے لیکن فرانس میں سنڈیکلیت کے ظہور یعنی انیسویں صدی کے اختتام تک انارکو سینڈیکلیت واضح شکل اختیار نہ کر سکی (انگریزی کا لفظ سنڈیکلیت فرانسیسی لفظ سینڈیکلزم سے نکلا ہے جس سے واضح طور پر ٹریڈ یونین ازم ہی مراد ہے) مگر جب 1890 میں ٹریڈ یونین تحریک انقلابی اور اصلاحی دو حصوں میں بٹ گئی تو انارکسٹ انقلابی ٹریڈ یونین کا حصہ بن گئے اور ان میں سے کچھ بااثر راہنما بن کر بھی ابھرے جن میں فرنینڈ پیلوچے اوبغیر اور ایملی پوجے **شامل** ہیں۔دوسری طرف فرانسیسی سنڈیکلیت جو ابھی انارکسٹ تحریک نہیں تھی وہ جنگ عظیم اول اور انقلاب روس تک ایک مضبوط تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔انارکو سینڈیکلیت تحریکیں اٹلی اور روس کی لیبر تحریکوں میں پہلی جنگ عظیم تک ایک موثر آواز بن چکی تھیں اور سپین میں 1939 کی سول وار تک طاقت ور حالت میں موجود رہیں۔ سینڈیکلیت طبقاتی شعور رکھنے والے محنت کشوں کی انارکیت ہے لیکن اصلا" یہ انارکیت یا انقلابی تحریک نہیں۔ عملی صورت میں انارکو سینڈیکلیت حکم پسندانہ یا اصلاح پسندانہ یا پھر دونوں روپ دھار سکتی ہے۔اندریں حالات بہتر معاوضوں اور اچھے حالات کار کے لیئے جدوجہد اور بنیادی آزادی پسند اصولوں کے درمیان توازن رکھنا ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے۔ یہ انارکو سینڈیکلیت کے خلاف دلیل نہیں ہے بلکہ ایک خطرے کی طرف اشارہ ہے۔انارکسٹ سنڈیکلیت کے خلاف اصل دلیل یہ ہے کہ یہ تحریک عمومی طور پر محنت اور محنت کش طبقے پر ضرورت سے زیادہ اصرار کرتی ہے۔طبقاتی نظام انارکسٹوں کا ایک بنیادی مسئلہ ضرور ہے لیکن طبقاتی جدوجہد انارکسٹ جدوجہد کا محور نہیں ہے۔سنڈیکلیت اسی صورت میں قابل قبول ہے جب اسے انارکیت کے ایک جزو کے طور پر دیکھا جائے، اس صورت میں نہیں جب یہ دوسرے سارے پہلو ہی بگاڑ دے۔انسان کے بارے میں یہ نکتہ ایک حد تک درست ہے لیکن یہ روزمرہ سے باہر زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔

لیکن گزشتہ برسوں میں انارکیت کی مختلف شکلوں کے درمیان فرق اہم نہیں رہا۔ مختلف نکتہ نظر کے انتہا پسند رجعتی عناصر کے سوا، تمام انارکسٹ اختلافات کو سنجیدہ سے زیادہ سطحی سمجھتے ہیں جو کسی بھی نکتے پر تکرار اور لسانی حوالے سے ذخیرہ الفاظ کے اختلافات ہیں اور ان کو اصولوں کے حقیقی اختلافات کا درجہ نہیں دے سکتے اور انہیں انارکیت کی مختلف شکلیں سمجھنے کی بجائے اپنی دلچسپیوں کی بنا پر انارکیت مختلف پہلو سمجھنا بہتر ہو گا۔

چنانچہ ہم پرائیویٹ زندگیوں میں انفرادیت پسند ہیں۔اپنے روزمرہ میں معاملات کرنے والے، ذاتی وجوہات کی بنا پر دوستیاں بنانے والے اور سماجی زندگی میں باہمیت کے قائل، دوسروں کے ساتھ آزادانہ معاہدے کرنے والے، دوسروں کو دینے والے اور دوسروں سے برابری کے تحت لینے والے۔اسی طرح کام/پیشے کے تناظر میں زیادہ تر اجتماعیت پسند ہیں: ایک سماجی بھلائی پیدا کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کو کیسے سر انجام دیا جائے۔کام کی تنظیم کے حوالے ہم زیادہ تر سنڈیکلسٹ ہیں: اپنے ساتھیوں سے مل کر کام کو کیسے سر انجام دیا جائے۔سیاسی زندگی میں زیادہ تر کمیونسٹ ہیں: ہمسائیوں کے ساتھ مل کر کمیونٹی کو کس طرح چلایا جائے۔ یقیناً یہ ایک سادہ توجیہ ہے لیکن اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ انارکسٹ اج کل کیسے سوچتے ہیں۔

انارکسٹ کیا چاہتے ہیں:

یہ کہنا مشکل ہے کہ انارکسٹ کیا چاہتے ہیں۔اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے باہمی اختلافات بہت زیادہ ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ مستقبل کے بارے میں کوئی تجاویز دینے سے گریز کرتے ہیں۔وہ مستقبل پر کنٹرول کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے کنٹرول کر سکتے ہیں۔وہ حکومت سے آزاد ایک سماج چاہتے ہیں جو زمانی و مکانی/حالات وواقعات میں فرق کے باعث ایک دوسرے مختلف اور انفرادی خصوصیات کے حامل ہوں گے۔ مجموعی طور پر انارکسٹ ایسا معاشرہ چاہتے ہیں جس طرح کا اس کے لوگ چاہیں گے، مگر زیادہ تر انارکسٹ ایک آزاد معاشرہ چاہتے ہیں۔ لیکن پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس سماج کے لیے کوئی سرکاری ہدایت نامی نہیں ہوگا۔مزید برآں انارکیت کی دو انتہاؤں انفرادیت پسندی اور کمیونزم کے درمیان ہم آہنگی کا آسان راستہ بھی موجود نہیں ہے۔

خود مختار افراد:

زیادہ تر انارکسٹ نجی زندگی کی طرف ایک آزادی پسند رویے سے ابتدا کرتے ہیں اور افراد کے درمیان ذاتی طرز عمل اور سماجی تعلقات کے حوالے سے ایک وسیع دائرہ انتخاب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لیکن اگر فرد ایک ایٹم کی مانند ہے تو خاندان مالیکیول ہوگا۔ لہذا اگر اس ادارے کو جبر کی شکل میں جکڑنے والی ساری پابندیاں تم بھی کردی جائیں تو خاندان کا وجود ختم نہیں ہوگا۔ بلاشبہ خاندان ایک قدرتی مظہر کے طور پر موجود رہے گا لیکن لازمی نہیں ہو گا۔ سائنسی ترقی اور سماجی تبدیلیوں نے انسانیت کو کثیر الازدواجی اور کنوارپن کے درمیان چناؤ کے بوجھ سے ہلکا کردیا ہے۔اب ہر فرد کے لیے ضروری نہیں رہا کہ وہ بچے پیدا کرے۔ بچوں کی پرورش دویا دو سے کم والدین کے لئے ممکن ہوگی۔لوگ اکیلے رہ سکتے ہیں اور اس کے باوجود مطمئن زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔

بلاشبہ زیادہ تر افراد کسی نہ کسی طرح شادی شدہ زندگی کا راستہ ہی اختیار کریں گے اور بیشتر صورتوں میں بچوں کی پرورش بھی خاندانی ماحول میں ہوگی۔ سماج کسی بھی (بحرانی) صورتحال سے دوچار ہو، ایک کمیونٹی کے اندر ذاتی ترجیہات/انتخاب کی گنجائش موجود رہے گی۔بنیادی شرط یہ ہوگی کہ عورت مرد کے اور بچے والدین کے جبر سے آزاد رہیں۔ معاشرے کی بڑی دنیا کی طرح خاندان کی چھوٹی دنیا میں بھی جبر کا استعمال قابل برداشت نہیں ہونا چاہیے۔

خاندان سے باہر ذاتی تعلقات بے قاعدہ قوانین یا معاشی مقابلے سے نہیں بلکہ نسل انسانی کے درمیان یکجہتی کے فطری جذبے سے متعین ہوں گے۔ تقریباً سبھی لوگ شعور رکھتے ہیں کہ اپنے ہم نفسوں کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جائے جیسا ہم جواب میں اپنے ساتھ متوقع کرتے ہیں، انسانی طرز عمل کے راہنما اصول خوف اور احساس گناہ نہیں ہو بلکہ **زتت فس** اور رائے عامہ کا استعمال ہے۔ انارکیت کے کچھ مخالف تجویز کرتے ہیں کہ ریاست کے فیزیکل/ حقیقی جبر کی جگہ معاشرے کا **اخلاقی** جبر کہیں زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ لیکن مجرموں کے گروہ، ذبح کرنے والے ہجوم، ڈاکوؤں کے ٹولے اور **اخلام معٰٔس ئووں** کے جتھے اور **ان) سب (کی بے قابو حاکمیت یقینا" بہت زیادہ خطرناک ہے**۔ ریاست کی یہ ابتدائی شکلیں اس وقت منظر عام پر آتی ہے جب کسی وجہ حکومت کی اصل اتھارٹی غائب ہو جائے۔

انارکسٹ ذاتی زندگی کے بارے میں کسی حد تک اختلاف رائے رکھتے ہیں لیکن یہ اختلاف اب زیادہ اہمیت نہیں کا حامل نہیں رہا۔اس حوالے سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے انقلاب یا کسی اور بڑی تبدیلی کا انتظار کیے بغیر اپنے لیے پہلے ہی انتظامات کر رکھے ہیں۔افراد کی آزادی کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ پرانے تعصبات سے چھٹکارا پایا جائے اور معیار زندگی کی ایک سطح کو ممکن بنایا جائے۔ تاہم اصل مسئلہ بہر صورت سماج کی آزادی ہی رہے گا

آزاد معاشرہ:

آزاد معاشرے کی پہلی ترجیح جائیداد سے بے دخلی اور اتھارٹی کا خاتمہ ہوگی۔انارکسٹ عارضی نمائندوں کے باہمی رابطوں پر مشتمل ایک ایسا نظام چاہتے ہیں جو انتخابات کے پابند/مستقل نمائندوں اور عہدوں پر براجمان. پیشہ ور بیوروکریٹس کی جگہ لے سکے۔ جس میں نمائندے فوری طلبی کے پابند ہوں اور ایسے ماہرین بھی جو حقیقی طور پر جواب دہ بھی ہوں۔اس طرح کے نظام میں نظم وضبط کی متقاضی سماجی سرگرمیاں آزاد تنظیموں کے ذریعے تشکیل پائیں گی۔ تنظیموں کو ہم کونسل، اجتماعی تنظیمیں، کمیٹیاں، کمیونز، یونین یا سینڈیکیٹ، سوویتس یا کچھ اور نام بھی دے سکتے ہیں۔اہم ان کمیٹیوں کے وظائف ہوں گے عنوانات نہیں۔

ورکشاپوں، چھوٹی کاروباری ملکیتوں سے لے کر بڑے بڑے صنعتی اور زرعی ڈھانچوں تک ورک-ایسوسی ایشنیں بنائی جائیں گی جو پیداوار، باربرداری اور حالات کار کے مسائل سے نبٹیں گی اور معاشیات رواں رکھیں گی۔اسی طرح، مقامی سطح/دیہات سے لیکر بڑے بڑے رہائشی یونٹ تک بھی علاقائی انجمنیں تشکیل دی جائیں گی جن کے ذمہ کمیونٹی سے متعلق معاملات جیسے رہائش گاہیں، گلیاں اور دیگر سہولیات کی دیکھ بھال ہوگی۔ ذرائع ابلاغ، کلچر، تفریح، صحت، تحقیق، تعلیم اور اس طرح کے دوسرے سماجی مسائل سنبھالنے کے لئیے بھی رضاکارانہ انجمنیں ہوں گی۔

منتظم درجہ بندی سے انتظام/ایڈمنسٹریشن کی بجائے۔۔آزاد ایسوسی ایشنوں کے باہمی ربط کا ایک نتیجہ، وفاقیت کے خطوط پر حد درجہ عدم مرکزیت کی صورت میں برآمد ہوگا۔ بادی النظر میں یہ انارکیت کے خلاف ایک دلیل ہے لیکن ہمارے نزدیک انارکیت کے حق میں دلیل ہے۔ جدید سیاسی فکر کی تاریخ میں ایک حیران کن بات یہ ہے کہ عمومی طور پر جنگوں کا ذمہ دار چھوٹی اقوام کو ٹھہرایا جاتا گیا ہے جبکہ تاریخ میں جنگیں چند بڑی اقوام نے شروع کی ہیں۔اسی طرح بڑی بڑی عظیم حکومتیں بڑے بڑے انتظامی یونٹ تشکیل دینے کی طرف مائل ہوتی ہیں جبکہ چھوٹی اکائیاں زیادہ فعال ثابت ہوتی ہیں۔ وسعت پذیر سیاسی نظام کا تحلیل ہونا، انارکیت کے حق میں ایک اہم ترین قدم ہوگا کیونکہ نتیجے میں ممالک ایک بار پھر تہذیبی وجود بن جائیں گے اور اقوام ختم ہو جائیں گی۔ جائیداد اور دولت کے معاملات سے متعلق تنظیموں کے ذمہ اہم ترین کام اس امر کو یقینی بنانا ہوگا کہ تمام ذرائع متعلقہ لوگوں میں منصفانہ طور پر تقسیم ہوں یا دوسری صورت میں ان کو مشترکہ کھاتے میں رکھا جائے اور وہ یہ بھی یقینی بنائیں کہ متعلقہ افراد میں ان کا استعمال انصاف/برابری کی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔انارکسٹ اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ بہترین طریقہ کونسا ہوگا اور بلاشبہ ایک آزاد معاشرے کے افراد بھی اس یونہی اختلاف رکھیں گے، یہ ہر تنظیم میں شامل لوگوں پر منحصر ہوگا کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔اس تناظر میں سب کی تنخواہ مساوی بھی ہوسکتی ہے یا لوگوں کو ان کی ضرورت کے مطابق دیا جاسکتا ہے یا پھر تنخواہ سے مکمل گریز بھی ممکن ہوگا۔ کچھ تنظیمیں تمام اشیا کے تبادلے کے لئیے کرنسی استعمال کریں گی، کچھ صرف پیچیدہ اور بڑے تبادلوں کے لئیے اور کچھ مکمل طور پر احتراز برتیں گی۔اشیا خریدی جاسکتی ہیں یا کرائے پر لی جاسکتی ہیں یا پھر ان کی کوٹہ بندی (راشنگ) بھی ممکن ہے یا بالکل مفت بھی ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ باتیں محض تصوراتی، بے معنی یوٹوپیائی دکھائی دیں تو یاددہانی بے موقع نہ ہوگی کہ پہلے ہی کتنی اشیا مشترکہ ملکیت میں ہیں اور کتنی اشیا مفت برتی جارہی ہیں۔

برطانیہ میں کچھ بڑی صنعتوں جیسے ہوائی جہاز، ریل، ٹرانسپورٹ، نشروابلاغ، پانی، گیس، اور بجلی کی مالک کمیونٹی ہے اگرچہ ان کے استعمال کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ سڑکیں، پل، دریا، ساحل، پارکس، لائبیریریاں، کھیل کے میدان بیت الخلا، ہسپتال، ایمرجنسی سروسز کی صرف ملکیت ہی کمیونٹی پاس نہیں بلکہ ان کا استعمال بھی بلا معاوضہ کرتی ہے۔ نجی ملکیت اور کمیونٹی کی ملکیت، پیسوں سے استعمال اور مفت استعمال میں فرق بالکل فرضی ہے، بلاشبہ ہمیں سڑکیں اور ساحل سمندر کسی بھی قیمت کے بغیر استعمال کرنے چاہئیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں رہا۔ یونیورسٹیوں اور ہسپتالوں کا مفت استعمال اس صدی میں شروع ہوا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمیں ٹرانسپورٹ وغیرہ کے لیے پیسے دینے چاہیں لیکن شاید ہمیشہ یہ ممکن نہیں ہوتا۔ کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی کہ ان کا استعمائ مفت کیوں نہیں ہونا چاہیے۔

جائیداد اکھٹی کرنے کی بجائے دولت کی مساویانہ یا مفت تقسیم کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ نجی ملکیت پر مبنی طبقاتی نظام ختم ہو جائے گا۔ لیکن انارکسٹ غلبے / کنٹرول کی بنیاد پر کھڑا طبقاتی نظام بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے مراد ہر تنظیم کی مستقل نگرانی ہے تاکہ اس میں بیوروکریسی جنم نہ لے سکے۔ سب سے اہم یہ ہوگا کہ کام کی تنظیم انتظامی طبقے کے بغیر ہو۔

کام:

انسان کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس اور گھر وغیرہ کی ہیں جو اسے زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہیں۔ دوسری ضروریات مزید آسائشوں پر مشتمل ہیں جو زندگی کو باوقار بنانے میں مددگار ہوتی ہیں۔ کسی بھی انسانی گروہ کی بنیادی معاشی سرگرمی وہ اشیا پیدا کرنا اور ان کی تقسیم کرنا ہے جن سے لوگوں کی یہ ضروریات پوری ہوتی ہوں۔ معاشرے ذاتی / انفرادی تعلقات پر استوار ہوتے ہیں اور ان کے بعد کسی بھی معاشرے کا اہم ترین پہلو ضروری کام کی تنظیم بندی ہے۔ انارکسٹ کام کے بارے میں دو طرح کے تصورات رکھتے ہیں، زیادہ تر کام ناخوش گوار ہے لیکن اسے قابل برداشت یا مزید خوشگوار بنانے کے لیے اس کی تنظیم سازی ممکن ہے، دوسرے یہ کہ سارا کام منظم بھی انہی لوگوں کو کرنا چاہیے جو اسے پایہ تکمیل تک پہنچا رہے ہوں۔

انارکیت پسند مارکسسٹوں سے متفق ہیں کہ موجودہ دور میں "لیبر" محنت کشوں اور ان کے کام میں اجنبیت کا سبب بن رہی ہے۔ یہ کام ان کی زندگی نہیں ہے لیکن یہ وہ کام ہے جو وہ زندہ رہنے کے لئے کرتے ہیں۔ اس کی زندگی وہ ہے جو وہ کام سے باہر گزارتا ہے اور جس چیز سے وہ لطف اٹھاتا ہے اسے وہ کام کا نام نہیں دیتا اور جب وہ لطف کے لئے کچھ کرتا ہے تو اسے زندگی نہیں کہتا۔ بیشتر کام بیشتر کام کرنے والوں، اور بیشتر حالات کار کے بارے میں یہ بات ہمیشہ کے لئیے درست ہے اور درست رہے گی۔ ہمیں بوریت پیدا کرنے اور تھکا دینے والے ایسے میکانکی حالات کار کا سامنا ہے جس کے بل بوتے ہم پیداواری وسیلوں اور ٹرانسپورٹ / باربرادری کے نظام جاری رکھ سکیں، فصلوں کے لئیے جانوروں کو متحرک رکھ سکیں اور لوگوں سے اپنی رضا کے مطابق اور ان کی رضا کے خلاف حاصل کر سکیں۔ مگر بڑے پیمانے پر مادی معیار زندگی میں کمی کیے بغیر ان حالات کار سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ میکانکیت کی وجہ بننے والے خود کار نظام میں کمی بھی، بوریت میں کمی کا سبب بنے گی۔ انارکسٹ اصرار کرتے ہیں کہ ان مسائل کا حل لوگوں میں یہ سوچ راسخ کرنا نہیں کہ ہمیں ایک ناگزیر صورتحال کا سامنا ہے۔ اس رویے کی بجائے بنیادی کام کی اس طرح تنظیم نو کرنا بہتر ہوگا جس کے تحت پہلے مرحلے پر ہر اہل فرد کے لئیے اس کام میں حصہ لینا ایک عام / نارمل بات ہو اور کوئی بھی دن کے چند گھنٹوں سے زیادہ کام نہ کرے۔ دوسرے مرحلے پر ہر ایک کے لئیے یہ ممکن ہو کہ وہ بوریت پیدا کرنے والے کام کے درمیان متبادل کا انتخاب کر سکیں جو زیادہ تنوع کے باعث کم بوریت پیدا کرے گا۔ یہ تمام افراد کے درمیان ایک منصفانہ تقسیم کا ہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہر کسی کے لیے منصفانہ کام کا بھی مسئلہ ہے۔ انارکسٹ سنڈیکلسٹوں کی اس بات سے متفق ہیں کہ کام کا انتظام کارکنوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ کارکن طبقہ، یونین یا پھر ورکنگ کلاس کی جماعت، معاشیات کا اختیار سنبھال لے اور نہ ہی چھوٹے پیمانے پر ایسا ہونا چاہیے کہ فیکٹری میں اسٹاف بھرتی کرے یا اکاونٹس کا معائنہ کرے۔ کسی بھی طرح کے باس، مینجر یا انسپکٹر کے بنا لوگ اپنے کام پر مکمل اختیار رکھتے ہوں۔ بلاشبہ کچھ افراد بڑے اچھے رابطہ کار ہوتے ہیں اور رابطہ کاری کے عمل پر مکمل توجہ بھی مرکوز کر سکتے ہوں گے لیکن اُن کا اس پر اختیار نہیں ہونا چاہیے جو عملی طور پر کام کر رہے ہوں۔ کچھ لوگ سست تو کچھ چست ہو سکتے ہیں لیکن وہ پہلے ہی سے اپنی طبع میں اس طرح کے افراد ہیں، صرف اپنے کام پر ہی اختیار کافی نہیں، انسانوں کا اپنی زندگیوں پر بھی مکمل اختیار ہونا چاہیے۔ اس کا اصول کا اطلاق ہر طرح کے کام پر ہونا چاہیے۔ فیکٹریوں میں، کھیتوں کھلیانوں میں، بڑے منصوبوں اور چھوٹے منصوبوں میں بھی، ہنرمند اور غیر ہنرمند پیشوں میں، گند سے متعلق پیشوں میں بھی اور لبرل پیشوں میں بھی یہی اصول مد نظر ہونا چاہئے۔ یہ کارکنوں کو مطمئن کرنے کی طرف ایک قدم ہی نہیں بلکہ ہر طرح کی آزاد معیشت کا بنیادی اصول بھی ہے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ کام پر کارکنوں کا مکمل اختیار غیر ضروری مقابلے کا سبب بنے گا اور غیر ضروری پیداوار بڑھانے کا ذریعہ بھی ہوگا۔ ایک واضح جواب یہ ہے کہ کارکنوں کا مکمل عدم کنٹرول بھی انہی نتائج کا سبب بنتا ہے۔ اس لئیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ کام کی ایک ذہین منصوبہ بندی ہے جو نچلی سطح پر کارکنوں کو مزید علم اور معلومات بہم پہنچانے سے ممکن ہو گی، عمومی سوچ کے مطابق تنظیم کی اوپر والی پرتوں کو مزید کنٹرول اور اختیار دینے سے نہیں ہو سکتی۔

زیادہ تر معیشت دانوں کی توجہ پیداوار پر مرکوز رہی ہے اس کی کھپت پر نہیں رہی، اشیا بنانے پر ہے ان کے مصرف پر نہیں۔ دونوں دائیں اور بائیں بازو والے کارکنوں سے زیادہ سے زیادہ پیداوار کی توقع رکھتے ہیں۔ شاید ان کا مقصد امرا کو مزید امیر اور ریاست کو مضبوط کرنا ہے، جس کا نتیجہ زائد پیداوار کے ساتھ غربت اور بے روزگاری میں اضافہ، دفاتر کے لئے دیو ہیکل عمارتیں اور پہلو میں بے گھر افراد کا سیلاب، فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ اور اس کے ساتھ بے کاشت چھوڑی گئی زمینوں کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے۔ انارکسٹوں کا اصرار پیداوار پر نہیں، کھپت پر ہے تاکہ تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہوں۔ منافع اور قوت میں اضافے کے سبب امیر اور طاقتور مزید مضبوط نہ ہوں۔

ضروریات اور تعیشات زندگی:

تہذیب کا معمولی دعوی رکھنے والا معاشرہ بھی بنیادی ضروریات کے استحصال کی اجازت نہیں دے گا۔ آسائشات کی خرید و فروخت درست تسلیم کی جا سکتی ہے کیونکہ کہ ہم انہیں استعمال کرنے یا نہ کرنے کا انتخاب رکھتے ہیں۔ لیکن ضروریات آسائشات نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے استعمال کے بارے میں ہم کوئی انتخاب نہیں رکھتے۔ اگر انارکسٹوں کو منڈی، امراء یا اشرافیہ کے ہاتھوں سے کوئی شے لینی ہے تو یہ زمین ہے۔ کیونکہ اس پر ہم گزر اوقات کرتے ہیں، خوراک حاصل کرتے ہیں اور کانات تعمیر کرتے ہیں۔ مزید وہ لازمی چیزیں بھی جن پر مادی زندگی کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں جیسے کپڑے، ایندھن، آلات اور دوسری ضروریات وغیرہ۔ جب ضروریات زندگی گی کی پیداوار وافر ہو تو ہر کسی کو اس کی ضرورت کے مطابق فراہمی ہو گی۔ قلت کی صورت میں متفقہ طور پر تیار کردہ فری ری راشنگ کا سسٹم ہو گا جس پر کہ سب متفق ہوں۔ ایسے نظام میں کچھ نہ کچھ خامی ہے جہاں ضرورت اور ضیاع ساتھ ساتھ موجود ہوں، کچھ افراد کے پاس اپنی ضرورت سے زائد وسائل ہوں جبکہ دوسرے محروم رہیں۔

کسی بھی صحت مند معاشرے کی پہلی ذمہ داری اشیاء ضرورت کی کمی کو دور کرنا ہے۔ کم ترقی پذیر ممالک میں خوراک کی کمی اور ترم یافتہ ممالک میں میں رہائشی ضرورتوں کی کمی وغیرہ۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں اگر دستیاب سرمائے اور محنت کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں کہ کافی مقدار میں خوراک پیدا نہ ہوتی، پوری کی آبادی کے لیے گھروں کی تعمیر نہ ہو سکتی۔ اب ایسا ممکن نہیں رہا کیونکہ معاشرے کی ترجیحات مختلف ہیں اس وجہ سے نہیں کہ یہ کاتی عملی طور پر ناممکن ہے۔ ایک زمانے میں یہ خیال عام تھا کہ ہر فرد کے لیے لباس کا انتظام مشکل ہے۔ چنانچہ غریب لوگ ہمیشہ چیتھڑوں میں ہی رہیں گے۔ اس وقت ہمارے پاس کافی تعداد میں کپڑے موجود ہیں اور دیگر اشیا ضرورت بھی اسی طرح مناسب تعداد میں مہیا ہو سکتیں ہیں۔ ایک عجیب گورکھ دھندے کی طرح تعشیات بھی ضروریات میں تو شامل ہیں لیکن بنیادی ضروریات میں نہیں۔ ایک صحت مند معاشرے کا دوسرا فرض ی ئسات کی فراہمی مفت ہے۔ یقیناً ایسی صورت میں پیسے کا ایک اہم کردار ہو گا بشرطیہ کہ اس کی تقسیم بڑے سرمایہ دار ملکوں کی طرح کسی نظام کے بغیر نہ ہو، اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز کمیونسٹ ملک کی طرح نہ ہو۔ یہ آسان اور سب کے لئے مساوی ہو

لیکن انسانیت صرف روٹی پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ انارکسٹ تفریحی، ذہنی، ثقافتی اور اس قسم کی دوسری سرگرمیوں کو معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں اور زیادہ آزادی پسند اور دیگر معاشرے بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسی دوسری سرگرمیاں ہیں جو آزاد ایسوسیشن کے افراد کے ہاتھوں میں بھی نہیں دی جا سکتیں اور معاشرے کو مجموعی طور پر ان کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ ان میں فلاحی سرگرمیاں ج ایش، دوستوں، محلے یا پھر ہم پیشہ لوگوں کے علاوہ دیگر افراد کے ساتھ باہمی امداد کے یٹ ورک استوار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے تین کا جائزہ لیتے ہیں۔

فلاحی معاشرہ:

معاشرے میں تعلیم انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ نشو و نما کے لئے ہمیں ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح زندگی کے حقائق اور ضروری ہنر سیکھنے میں بھی کچھ کم وقت صرف نہیں ہوتا۔ انارکسٹوں نے تعلیم سے متعلق مسائل میں ہمیشہ گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ کئی انارکسٹ راہنماوں نے نظریہ تعلیم اور اس کے اطلاق کے حوالے سے گراں قدر خدمات بھی انجام دی ہیں اور کئی ماہرین تعلیم آزادی پسندانہ رجحانات کی ترویج بھی کرتے رہے جن میں روسو،، پیستالوزی، مائسوری اور نیل شامل ہیں۔ مگر تعلیم کے بارے میں مثالیت پسندانہ موضوعات اب عام نصاب کا حصہ قرار پا چکے ہیں۔ برطانیہ کے نجی اور سرکاری تعلیمی اداروں میں شاید تعلیم عملی انارکستوں کے لئیے دلچسپی کا سب سے اہم موضوع ہے۔ عمومی رائے یہ ہے کہ انار کی ی ت تو دکھائی دیتی ہے لیکن عملی نظر نہیں آتی۔ اس کے جواب میں ہم انارکسٹ، عملی ثبوت کے طور پر کئی پرائمری یا کمپری ہنسو سکول، کھیل کے میدان یا یوتھ کلب کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف بیشتر اسکول سسٹم ابھی تک اتھارٹی/حاکمیت پسندانہ رجحانات کے حامل افراد کی دسترس میں ہیں یعنی استاد، گورنرز، سرکاری افسر، صدر ایکٹ رو غیرہ۔ عملی تعلیمی منسلک نوجوان بھی سسٹم پر غلبہ پانے کی طرف راغب ہو سکتے ہیں لیکن انہیں اس کنڑول کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے اور اسی طرح بلاواسطہ تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو بھی نہیں ہونی چاہیے۔

صحت کے شعبے میں تعلیم کی نسبت تبدیلی زیادہ قریب ہے۔ ڈاکٹر اب مزید جادوگر نہیں رہے اور نرسوں کو بھی راہبہ نہیں سمجھا جاتا۔ برطانیہ سمیت کئی ممالک میں صحت کی مفت سہولت کا اصول بلاشبہ اصلاحات میں مزید پیشرفت جاری ہے لیکن جس تبدیلی کی ضرورت ہے وہ آزادی کے اصول کو معاشیات سے نظام صحت کے سیاسی پہلو تک توسیع دینا ہے، لوگ ہسپتالوں میں کسی بھی معاوضے کے بنا جا سکیں اور ہسپتالوں میں کسی طرح کے درجہ بند افسر شاہانہ نظام کے بغیر کام کر سکیں۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ جس بات کی ضرورت ہے وہ ہسپتالوں پر صحت سے منسلک لوگوں کا مکمل اختیار ہے، جیسے تعلیم صرف طلبہ کے لئے ہے ویسے ہی صحت کا شعبہ بھی صرف مریضوں کے لئے ہے

گو جرائم کا علاج بھی ترقی کا ایک طویل سفر طے کر چکا ہے لیکن ابھی تک تسلی بخش ہونے سے کوسوں دور ہے۔ انارکیت کے پاس جرائم کی نفسیات کے حوالے سے دو اہم تصورات ہیں۔ پہلا یہ کہ بہت سارے نام نہاد مجرم بھی بالکل دوسرے افراد کی طرح ہوتے ہیں، محض غریب، کمزور، احمق یا پھر بدقسمت۔ دوسرے جو لوگ مستقل طور پر دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کو مزید نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ ان کی دیکھ بھال کی جائے۔ بڑے مجرم ڈاکو نہیں باس ہیں، گینگ لیڈر نہیں حکمران ہیں، قاتل نہیں ماس قاتل ہیں۔ کچھ معمولی نا اصافیاں نمایاں جاتی ہیں اور ریاست ان کی سزا بھی دیتی ہیں لیکن ہمارے دور کی بڑی بڑی ناانصافیاں پوشیدہ رکھی جاتیں ہیں۔ اصل میں ان کے تسلسل کی ذمہ دار بھی ریاست ہی ہوتی ہے۔ عمومی طور پر سزا معاشرے کو زیادہ نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ یہ زیادہ وسیع، بہتر منظم اور کہیں زیادہ اثر پذیر بھی ہوتی ہے، سزا کی ناپسندیدگی کے باوجود کسی بھی آزاد ترین معاشرے کو بھی کچھ افراد سے محفوظ رکھنا ہو گا۔ یقیناً اس سے مراد ناگزیر صورت میں جبر کا استعمال بھی ہے۔ لیکن جرائم کے صحیح علاج کو بہر صورت صحت اور تعلیم کے نظام کا حصہ بنانا ہو گا۔ اس عمل سے سزاوں کا نظام ایک ادارے کی شکل اختیار نہیں کرے گا، آخری حل جیل یا سزائے موت نہیں بائیکاٹ اور معاشرے سے خارج کرنا ہو گا۔

کثرتیت:

ایک انارکسٹ سماج میں کثرتیت کی فعالیت الٹی ہو سکتی ہے۔ اس اکا ہئ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی فرد یا ایک گروپ ممکن حد تک اعلی معاشرہ ترک کرنے یا اس میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے سے انکار کر دے۔ کوئی وجہ نہیں ہو گی کہ اسے پابند کیا جائے۔ نظریاتی نکتہ نظر سے تو شاید ایک تنہا شخص اپنی کوششوں سے خود کو سپورٹ کر سکتا ہے لیکن عملی طور پر اشیا ضروریات، کچھ خام مال مہیا کرنے اور تبادلے میں اشیاء لینے کے لیے کمیونٹی پر انحصار کرنا پڑے گا۔ حقیقت میں مکمل طور پر خود انحصاری اور تنہا زندگی مشکل ہے لیکن ایک اجتماعی کمیونسٹ معاشرے کو انفرادیت پسندی کے اس طرح کے رویوں کو برداشت ہی نہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔ مگر ایک ایسا آزاد فرد ناقابل قبول ہو گا جو غیر منصفانہ معاوضوں سے دوسرے محنت کشوں کا استحصال کرئے یا اشیاء کا تبادلہ غیر منصفانہ بنیادوں پر کرے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ لوگ اپنے فائدے کی جگہ کسی دوسرے کے فائدے کے لئے کام نہیں کریں گے یا اشیا نہیں خریدیں گے۔ جبکہ کوئی بھی قانون 'تخصیصی حق' سے نہیں روکے گا اور نہ ہی کوئی بے دخلی سے روک سکے۔ آپ کسی سے کچھ لے سکتے ہیں لیکن وہ آپ سے واپس بھی طلب کر سکتا ہے۔ اتھارٹی اور پراپرٹی بمشکل ہی اکیلے اور تنہا افراد کی کوششوں سے بحال ہو سکے گی۔

ایک بڑا خطرہ آزاد گروہوں سے ہو گا، معاشرے میں آسانی کی سے ایک الگ کمیونٹی تشکیل پا سکتی ہے اور شدید دباؤ کا سبب بن سکتی ہے اور اگر یہ کمیونٹی/ گروہ حاکمیت اور جائیداد کی طرف پلٹ جائے اور اس سے کچھ لوگوں کے معیار زندگی گی میں اضافہ بھی ممکن ہو تو ایسی صورت میں علیحدگی پسندوں کے ساتھ شرکت میں رغبت پیدا ہو گی، خاص کر جب معاشرہ بھی نامساعد حالات گزر رہا ہو۔

لیکن ایک آزاد معاشرے کو بہر صورت کثرتیت پسند ہونا پڑے گا اور صرف اس اختلاف رائے کے ساتھ ہی نہیں رہنا ہو گا کہ آزادی اور برابری کو کیسے عملی شکل دی جائے، اس کے ساتھ بھی کہ آزادی اور برابری کے نظریے سے مکمل انحراف کے ساتھ کیسے رہا جاے۔ واحد شرط صرف یہ ہو گی کہ کسی کو بھی اس کی اپنی خواہشات، ارادے کے خلاف ان گروہوں کا حصہ بننے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔ اس موقع پر کسی نہ کسی طرح کا حکم پسند دباؤ آزاد ترین معاشرے کے تحفظ کے لئیے موجود ہونا چاہئیے۔ انارکسٹ ماس معاشرے (ماس سوسائٹی) کو ماس معاشرے میں ہی تبدیل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہر فرد آزادی سے دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزار سکے۔ آزادی کے اصولوں پر قائم معاشروں کو سب بڑا خطرہ اندرونی رجعت پسندی نہیں بلکہ بیرونی جارحیت ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آزاد معاشرے کا تسلسل کیسے برقرار کھا جائے، مسئلہ یہ ہے کہ اول اسے قائم کیسے کیا جائے۔

انقلاب اور اور اصلاح:

روایتی طور پر پر انارکسٹ آزاد معاشرے کے لئے ایک پر تشدد انقلاب کے حامی رہے ہیں لیکن کچھ نے تشدد یا انقلاب یا پھر دونوں کو رد کیا ہے۔ تشدد کا نتیجہ بھی جوابی تشدد اور انقلاب کا نتیجہ بھی جوابی انقلاب کی صورت میں نکلا ہے۔ چند انارکسٹوں نے محض اصلاح پسندی کی حمایت کی ہے گو وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک جائیداد اور حاکمیت کا نظام قائم رہے گا اس وقت تک ان سطحی تبدیلیوں سے بنیادی معاشرتی ڈھانچے کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ مشکل یہ ہے کہ انارکسٹوں کی خواہش انقلابی تبدیلیاں ہیں لیکن شاید اور یقینا" بھی انارکسٹوں کی خواہشیں انقلاب کی صورت میں ب بار آور نہیں ہوں گی۔ یہی وجہ ہے انارکسٹ مایوسانہ کاروائیوں کا سہارا لے رہے ہیں یا بے دلی کے باعث بے عملیت کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں

عملی طور پر اصلاح پسندوں اور انقلابی انارکسٹوں میں بیشتر جھگڑے بے بنیاد ہیں کیونکہ صرف انتہا پسند انقلابی ہی اصلاحات سے انکار کرے گا اور صرف میانہ رو اصلاح پسند ہی انقلاب کا منکر ہو گا۔ سب انقلابیوں کو علم ہے کہ ان کی جدوجہد اصلاح پسندی سے آگے نہیں بڑے گی۔ اسی طرح سب اصلاح پسند بھی جانتے ہیں کہ ان کا کام بھی کسی نہ کسی طرح کے انقلاب کی راہ ہموار کرے گا۔ انارکسٹ چاہتے ہیں کہ مستقلا" ہر سمت سے ایک دباؤر کھا جائے، افراد کو تبدیل کیا جائے، گروپ تشکیل دیئے جائیں، اداروں کی اصلاح کی جائے، لوگوں کو بیدار کیا جائے اوریوں پر اپرٹی اور حاکمیت کی تباہی کی جائے۔ اگر یہ کام کسی بھی مشکل کے بغیر ہو جائے تو ہم خوشی کا اظہار کریں گے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی ایسا ہو گا۔ بالآخر میدان عمل میں جانا پڑے گا۔ پڑوس میں، کام کرنے کی جگہ پر، سڑکوں پر غرض ہر جگہ ریاستی قوت کا مقابلہ کیا جائے اور اگر ریاست شکست کھا جائے تو ایک نئی ریاست تشکیل ہونے کے خلاف جدوجہد بھی کی جائے اور اس کی جگہ آزاد معاشرے کی تعمیر شروع کی جائے۔ اس جدوجہد میں ہر فرد کا کردار ہے۔ انارکسٹ جانتے ہیں کہاپنے اہداف کے لئیے جدوجہد میں انہیں کہاں اور کیا کردار ہے۔

انارکسٹ کرتے کیاہیں؟

پہلا کام جوانارکسٹ کرتے ہیں وہ سوچنااور گفتگو کرنا ہے۔ کچھ ہی افراد بطور انارکسٹ ابتدا کرتے ہیں۔ انارکی اپنانا، ذہنی وجذباتی اتار چڑھاو کا حامل ایک منتشر تجربہ ہے۔ ایک شعوری انارکسٹ ہونا مستقلا" ایک مشکل صورتحال کا نام ہے کیونکہ یہ فکری رکاوٹ عبور کرنا، اور پھر لوگوں کو قائل کرنااور بھی مشکل ہے کہ حکومت کی ضرورت ایک بدیہی امر کے طور پر موجود نہیں؛ اس پر بحث بھی ممکن ہے اور نتیجے میں اسے رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک انارکسٹ کو معاملات زندگی کا ایک مکمل اور نیا نکتہ نظر تشکیل دینا پڑتا ہے اور ساتھ ان سے نمٹنے کا ایک طریقہ بھی۔ یہ عام طور پر ان افراد کے ساتھ مل کر کیا جاتا ہے جو خود انارکسٹ ہوں یا انارکی کی طرف مال ہوں، خاص کر بائیں بازو کے کسی گروپ یا جدوجہد میں شامل افراد کے ساتھ مل کر۔

اسی طرح ایک انتہائی یکسو انارکسٹ بھی غیر انارکسٹ افراد کے ساتھ رابطے میں ہوتا ہے اور یہ رابطے بلاشبہ اپنے نظریات کے فروغ کا ایک موثر ذریعہ بنتے ہیں۔ اپنے خاندان میں، دوستوں میں، گھر اور کام کی جگہ پر کوئی بھی ان سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی انارکسٹ خاندان اور دوستوں میں، گھر اور کام کی جگہ پر مناسب حد تک فلسفیانہ انداز نہیں رکھتا تو وہ ان افراد سے مغلوب ہو سکتا ہے۔ تاہم اسے ایک کلیہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

انارکسٹ بالعموم ساتھیوں کی وفاداری، اپنے بچوں سے اطاعت، پڑوسیوں سے ہم آہنگی یا پھر اپنے ہم پیشہ لوگوں کی باقاعدگی اور اس طرح دیگر امور پر دوسروں سے کم پریشان ہوتے ہیں۔ انارکسٹ ملازمین اور شہری وہ کچھ کرنے کی طرف کم مال ہوتے ہیں جو انہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح انارکسٹ استاد اور والدین دوسروں سے وہ کروانے کی طرف بھی کم مال ہوتے ہیں جو ہدایتیں انہیں موصول ہوتی ہیں۔ مختصرا" ایسا انارکزم جو ذاتی زندگی میں اظہار نہ پا سکے وہ ناقابل بھروسہ ہے۔

کچھ انارکسٹ صرف اپنی ذہن سازی کرنے اور خیالات کو اپنی زندگی تک محدود رکھنے پر ہی مطمئن رہتے ہیں لیکن بیشتر اس سے آگے بڑھنا چاہیں گے اور دوسروں کو متاثر بھی کرنا چاہتے ہیں۔ سماجی اور سیاسی مسائل پر وہ اپنے آزادی پسندانہ خیالات پیش کرتے ہیں اور عوامی مسائل پر جدوجہد میں بھی آزادانہ حل/خیالات کی تائید کرتے ہیں لیکن موثر نتائج کے لیے دوسرے انارکسٹوں کے ساتھ، کسی طرح کے سیاسی گروپ کے ساتھ، مستقل بنیادوں پر سیاسی شراکت ضروری ہے؛ صرف اتفاقیہ مل جانے لوگوں کے ذریعے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ یہ تنظیم سازی کی ابتدا ہے، پروپیگنڈے کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے اور بالآخر جدوجہد کی بنیاد فراہم کرتے ہوئے۔

تنظیم اور پروپیگنڈہ:

ابتدا میں بحث ومباحثے کا ایک گروپ تشکیل دینا ہوتا ہے۔ اگر گروپ بن جائے تو اس کا اظہار دو سمتیں اختیار کر سکتا ہے: اول یہ دوسرے گروپوں کے ساتھ روابط استوار کرے گا اور دوم یہ بڑے پیمانے پر ایک سرگرمی شروع کر سکتا ہے۔ دوسرے گروپوں کے ساتھ روابط ایک فیڈریشن میں تبدیل ہو جائیں گے جو مختلف سرگرمیوں کے درمیان روابط پیدا کرے گی اور یوں زیادہ اہم منصوبے شروع کیے جا سکتے ہیں۔ انارکسٹ سرگرمی ایک پروپیگنڈے سے شروع ہوتی ہے تاکہ انارکیت کا پیغام دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے دو بنیادی طریقے ہیں: الفاظ کے ذریعے پروپیگنڈہ اور عمل کے ذریعے پروپیگنڈا

الفاظ تحریری بھی ہو سکتے ہیں یا زبانی اظہار (گفتگو/ تقریر وغیرہ) کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ماضی کی نسبت آج کل زبانی اظہار کی پذیرائی قدرے کم ہے۔ کھلے عام یا بند کمروں کی پبلک میٹنگ لوگوں تک بلاواسطہ رسائی کا قیمتی ذریعہ ہوتی ہیں۔ انارکسٹ ہونے کا آخری مرحلہ عمومی طور پر کسی طرح کا ذاتی رابطہ کرنے کی کوشش ہے اور ایک میٹنگ اس کا بہترین طریقہ ہو سکتی ہے، خاص کر ایک انارکسٹ میٹنگ کا انعقاد۔ دوسرے لوگوں کی میٹنگ بھی انارکیت کا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے اہم ہوتیں ہیں۔ ان میٹنگ کی کاروائی میں شرکت کرنے کے نقطہ نظر سے یا ان کی کارروائی میں دخل در معقولات کے لیے۔

زبانی اظہار کا سب سے اہم طریقہ بلاشبہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہیں۔ انارکسٹ بعض اوقات ان پروگراموں میں اظہار کے لیے اپنی جگہ بنا لیتے ہیں لیکن براڈکاسٹنگ پروپیگنڈے کا غیر موثر ذریعہ ہے کیونکہ نامانوس خیالات کے اظہار کے لئے یہ تسلّی بخش طریقہ نہیں۔ زیادہ تر سامعین کے لئے انارکی ابھی تک ایک نامانوس تصور ہے۔ خصوصا" پیچیدہ سیاسی خیالات کے اظہار کے لئے براڈکاسٹنگ مناسب ذریعہ اظہار نہیں۔ انارکی کا سب سے بہتر اظہار کہانیوں کے سبق کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ اس نکتے کا اطلاق سینما، تھیٹر، براڈکاسٹنگ کے ذریعے ابلاغ پر بھی ہوگا بشرطیکہ یہ ذرائع ایک تجربہ کار اور ماہر ہاتھوں میں ہوں۔ یہ رائے درست ہے کہ انارکسٹ ابھی تک ابلاغ کے مختلف ذرائع کا موثر استعمال نہیں کر سکے۔

لیکن تقریروں/کالموں کے ذریعے پروپیگنڈہ جس حد تک بھی موثر ہو، تحریریں پیغام پہنچانے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ پروپیگنڈا کی اہم ترین صورت بھی یہی رہی ہے اور ابھی تک ہے۔ حکومت کے بغیر معاشرے کا تصور صدیوں سے ایک مخفی صورت میں موجود رہا اور کبھی کبھار انحرافی تحریکوں کے ذریعے اس کا آزادانہ اظہار بھی ہوا ہے، لیکن پہلی بار ہزاروں لوگوں کے لیے تھامس پیئن، گاڈون، پرودھوں، سٹرنر اور دوسرے لوگوں کی کتابوں سے منظر عام پر آیا۔ جونہی اس تصور نے جڑیں پکڑیں اور منظم گروہوں کے ذریعے اس کا اظہار شروع ہوا تو اس کے بعد تحریروں کا ایک سیلاب امڈ آیا جو ابھی تک ابلاغ کا ایک بنیادی طریقہ کار ہے۔ ان میں سے کچھ اشاعتیں بہت اچھی ہیں لیکن زیادہ تر معیاری نہیں۔ تاہم یہ باور کروانے میں ان تحریروں کا بنیادی کردار رہا ہے کہ تحریک ابھی دائرہ بند نہیں ہوئی اور اس نے خارجی دنیا سے مکالمہ جاری رکھا ہے۔

انارکسٹ سوچ کے حوالے سے یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ غیر انارکیت پسندوں میں بھی اس کا اظہار کیا جائے اور غیر انارکسٹ قارئین تک رسائی کے لئیے غیر انارکسٹ ذرائع بھی استعمال کیے جائیں۔

گو تحریری اور زبانی اظہار ضروری ہے تاہم ہمیشہ کافی نہیں ہوتا۔ عمومی معنوں میں ہم مکالمہ یا گفتگو کر سکتے ہیں اور لکھ بھی سکتے ہیں، لیکن یہ سرگرمیاں ہمیں کسی سمت میں لے کر جانے والی نہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ محض اس پروپیگنڈے سے دو معنوں آگے بڑھا جائے، اول کسی خاص صورت حال میں خاص مسائل پر بحث کی ابتدا کرنا اور ان کو اس طرح پیش کرنا کہ فوری اثر برامد ہو سکے۔ دوم، الفاظ سے زیادہ کسی اور ڈرامائی عمل کے ذریعہ سے مقبولیت/توجہ حاصل کرنے کی کوشس کی جائے۔ پہلے طریقے کو احتجاج اور دوسرے کو عمل بہ مثال کے ذریعہ پروپیگنڈا کہتے ہیں۔

احتجاج کی صورت میں سیاسی نظریہ سیاسی حقیقت کے روبرو کھڑا ہوتا ہے۔ انارکسٹ احتجاج ایسی صورتحال میں موزوں ترین بن جاتا ہے جب کسی بحرانی صورت حال کے باعث لوگ انارکسٹ خیالات کی پذیرائی کے لیئے حساس ہوں۔ایسی صورتحال میں انارکسٹ پروپیگنڈا موضوع بحث بن جاتا ہے مثلا" قومی اور سول لڑائیوں میں شدت کے دوران یا پبلک سکینڈل کے خلاف احتجاج میں۔ یہ احتجاج لازمی طور پر ایسے پراپیگنڈے پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے انارکسٹ پیغام کو زمینی حقائق سے جوڑا جاسکے اور یہ عملی شکل اختیار کرلے۔ عوام میں شعور بڑھنے سے لوگ آجکل، غوروفکر سے زیادہ خصوصی تجاویز کی طرف دھیان دیتے ہیں۔یہی موقعہ ہوتا ہے کہ ہم نظام کی جڑوں میں موجود مسائل نمایاں کرسکیں کہ انہیں کیسے درست سمت میں ڈالا جاسکتا ہے۔انارکسٹ احتجاج جنگ عظیم اول سے قبل فرانس، سپین، امریکہ میں اور جنگ کے بعد روس، اٹلی اور چین میں اور پھر 1930 کے سپین میں موثر 1880ء لیکن ،1940 اور دوبارہ 1960 کے دوران برطانیہ میں بمشکل اپنا اثر دکھاسکے۔

پروپیگنڈا بہ مثال کے حوالے سے انارکسٹ اور مخالفین دونوں کج فہمی کا شکار ہیں۔ 1870 کی دہائی میں پہلی بار اس اصطلاح کا استعمال ہوا تو اس سے مراد احتجاج، ہنگامے اور بغاوت کی سیاست تھی اور جو علامتی طور پر کسی فوری کامیابی سے زیادہ پبلسٹی حاصل کرنے کے لیئے شروع کی گئی تھی۔اس سیاست کے پس پردہ اصل نکتہ یہ تھا کہ پروپیگنڈہ صرف جدوجہد کے مختلف امکانات پر ہی مشتمل نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان امور کی خبر/ تشہیر بھی ضروری ہے جواب تک حاصل کیا جاچکا ہے۔ابتدا میں اس سے مراد تشدد نہیں تھا اور نہ ہی ہونا چاہیے لیکن انفرادیت پسند انارکسٹوں کی طرف سے غم وغصے کی لہر کے بعد، 1890 سے پروپیگنڈا بہ مثال کو ذاتی سطح پر غم وغصے کے اظہار سے جوڑ دیا گیا اور انارکسٹوں کے بارے میں یہ تصور ابھی تک کمزور نہیں ہوسکا۔

لیکن اب بیشتر انارکسٹوں کے لیے پروپیگنڈہ بہ مثال سے مراد بم بازی نہیں بلکہ اس سے مراد عدم تشدد یا پھر بلا تشدد سیاسی عمل ہے۔پروپیگنڈا بہ مثال کا تصور اب دوبارہ اپنے اصل اور بنیادی معانی کی طرف لوٹ گیا ہے۔اور اس نے مختلف صورتیں اختیار کرلی ہیں جیسے بیٹھنے کے احتجاج، منظم ہیکلنگ، غیر روایتی مظاہرے وغیرہ۔پروپیگنڈہ بہ مثال اکثر اوقات لاقانونی ہوتا ہے مگر اسے لاقانونی ہونے کی ضرورت نہیں۔سول نافرمانی کی تحریک واضح طور پر مثال کے ذریعے پروپیگنڈے کی ایک شکل ہے جو سوچے سمجھے طریقے سے کھلے عام قانون توڑکر تشہیر حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ بیشتر انارکسٹ اسے ناپسند کرتے ہیں کیونکہ یہ جان بوجھ کر سزا کی کھلی دعوت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ اتھارٹی کے ساتھ رضاکارانہ رابطوں کے لیئے انارکسٹ احساسات کو بھی مجروح کرتا ہے تاہم بعض صورتوں میں انارکسٹوں نے اسے پروپیگنڈے کی مفید شکل بھی پایا ہے۔

احتجاج خاص کر جب یہ کامیاب ہو اور پروپیگنڈہ بہ مثال جب یہ غیر قانونی ہو، دونوں صرف پراپیگنڈہ ہونے سے زیادہ دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ احتجاج جدوجہد پر اکساتا ہے اور پروپیگنڈا بہ مثال جدوجہد پر مشتمل ہوتا ہے۔اس مقام پر انارکسٹ میدان عمل میں اترتے ہیں اور یوں انارکیت ایک سنجیدہ مسئلہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

جدوجہد:

انارکیت پر نظریہ سازی کی عملی شکل میں تبدیلی، تنظیم میں تبدیلی کا نام ہے۔ایک مباحثہ یا پروپیگنڈا گروپ حکومت کے لیئے آسانی سے قابل مشاہدہ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی شرکت کے لیے بھی آسان ہوتا ہے۔ یہ آسانی سے ایک خاص اور رسمی گروہ میں تبدیل ہو جائے گا۔اس گروپ میں ہر فرد وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے وہ نہیں کرتا جو وہ نہیں چاہتا۔ یہ انتہائی نازک مرحلہ ہوتا ہے کیوں کہ سخت گیر رویے فرقہ بندی کو جنم دیتے ہیں جبکہ ڈھیلے ڈھالے اور کھلے رویے غیر ذمہ داری اور انتشار کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ مزید خطرناک صورت بھی اختیار کرسکتا ہے کیونکہ انارکی اب ایک سنجیدہ صورت اختیار کرنے لگے گی اور یوں حاکموں کے لیئے بھی خطرہ کا الارم بن جائے گی جس کے نتیجے میں پکڑ دھکڑ شروع ہوسکتی ہے۔

انارکسٹوں کے لیئے سرگرمی کی سب سے اہم صورت کسی بھی مسئلہ پر احتجاجی مہم کا حصہ بننا ہے۔ یہ اصلاح پسندانہ یعنی پورے سسٹم میں کوئی تبدیلی لائے بغیر یہ ایک مہم کی شکل اختیار کرسکتی ہے یا پھر انقلابی بھی ہوسکتی ہے۔ سسٹم کی تبدیلی کے لیے یہ قانونی/غیر قانونی یا دونوں، پرتشدد یا پھر بلا تشدد کچھ بھی ہوسکتی ہے۔اس کی کامیابی کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں یا ابتداء سے ہی ناامیدی کا شکار ہوسکتی ہے۔انارکسٹ اس تحریک میں غالب بھی ہوسکتے ہیں یا وہ صرف اس تحریک میں حصہ لینے والے ایک گروہ تک محدود رہ سکتے ہیں۔انارکسٹوں کو جدوجہد کی مختلف شکلوں کے لیئے زیادہ عرصہ انتظار نہیں کرنا پڑتا۔انہوں نے تقریباً ایک صدی ان تمام میدانوں میں قوت عمل آزمائی ہے۔ قوت عمل کی وہ شکل جس کے ساتھ انارکسٹ مطمئن رہے ہیں یا انارکسٹوں سے منسوب ہے وہ راست اقدام ہے۔

راست قدم (direct action) کا تصور بھی انارکسٹوں اور ان کے مخالفین میں کج فہمی کا شکار رہا۔ پہلی بار (1890) میں اس اصطلاح کا استعمال ہوا تو اس مراد سیاسی یعنی پارلیمانی عمل کی زد کے سوا کچھ اور نہ تھا اور لیبر تحریک کے تناظر میں اس سے مراد "صنعتی جدوجہد" خاص کر ہڑتالوں، بائیکاٹ، اور توڑ پھوڑ کی سیاست تھی لیکن ان کو انقلاب کی تیاری اور ریہرسل کے طور سمجھا گیا۔اس طرز سیاست کے پیچھے اصل تصور یہ تھا کہ جدوجہد بل واسطہ نمائندوں کے ذریعے ممکن نہیں ہوتی اور صرف ان لوگوں کے ذریعے ہی ممکن ہے جو اصل صورتحال کا ح حصہ ہوں۔دوسرے یہ اصل صورتحال کے مطابق عمل ہے اور اس کا مقصد کامیابی کے کچھ اہداف حاصل کرنا ہے محض اشتہار بازی نہیں۔

یہ تصور سادہ اور قابل فہم تھا لیکن اسے راست اقدام (پروپیگنڈہ بہ مثال) اور خاص کر سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ خلط ملط کردیا گیا۔راست اقدام کی تکنیک فرانس میں سنڈیکلیت تحریک کے دوران ایک زیادہ انتہا پسندانہ تیکنیک کے رد عمل میں وضع کی گی گئی۔ٹریڈ یونینسٹوں نے اس تکنیک کو ایک ڈرامائی لیکن غیر موثر اقدام سمجھتے ہوئے نظر انداز کردیا **اور ایک ڈریج** لیکن موثر عمل کی صورت میں اختیار کرلیا جو اپنی اصل میں صرف ایک نظریہ تھی۔ لیکن جوں جوں سینڈیکلیت تحریک مضبوط ہوئی اور نتیجے میں فرانس، اسپین، اٹلی، امریکہ، روس حتی کہ برطانیہ میں بھی نظام کے ساتھ کشمکش شروع ہوگئی تو اس کے نتیجے میں راست اقدام کے اہم ترین پہلوؤں نے وہی مقام حاصل کرلیا جو پروپیگنڈہ بہ مثال نے حاصل کیا تھا۔ گاندھی نے عدم تشدد پر مبنی اپنی سول نافرمانی کی تحریک کو بھی راست اقدام کی ایک شکل کے طور پر پیش کیا اور یوں تینوں اصطلاحات باہم مدغم ہوگئیں اور ان کے معنی کم وبیش ایک ہی قرار پائے یعنی سیاسی سرگرمی کی ایسی صورت جو خلاف قانون یا مسلمہ آئینی اقدار کے دائرے سے باہر ہو۔

لیکن بیشتر انارکسٹ ابھی تک اس سے بنیادی مفہوم ہی مراد لیتے ہیں۔ بلاشبہ اس نے روایتی معنی برقرار رکھتے ہوئے نئی شکلیں اختیار کرلیں ہیں مثلا" فوجی اڈوں پر دھاوے، یونیورسٹیوں کا اختیار سنبھالنا، خالی مکانوں پر دھرنا یا پھر فیکٹریوں پر قبضہ وغیرہ۔انارکسٹوں کی سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ تصور آزادی پسند کے اصولوں اور انارکیت کی مبادیات سے ہم آہنگ ہے۔ مخالفین کے سیاسی اقدامات کا زیادہ تر ہدف طاقت کا حصول ہوتا ہے لیکن جونہی یہ

گروہ سیاسی قوت حاصل کر لیتے ہیں تو نہ صرف اس تکنیک کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں بلکہ دوسرے گروپوں کو بھی ایسا کرنے سے روکتے ہیں۔ دوسری طرف انارکسٹ ہمیشہ راست اقدام کے حق میں ہوتے ہیں۔ وہ اسے ایک قابل قبول اور سادہ عمل کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ایسا عمل جو استعمال سے توانائی حاصل کرتا ہے اور جو آزاد معاشرے کی تخلیق اور اسے برقرار رکھنے میں معاون بھی ثابت ہوتا ہے۔ کچھ انارکسٹ ایک آزاد معاشرے کی تخلیق پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان کا سیاسی عمل بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے انارکیت میں ایک موثر رحجان معدومیت کا ہے۔ ترگنیف نے ایک صدی قبل اپنے ناول "باپ اور بیٹے" میں، نوجوان روسی نسل کے تشکیک پسندانہ اور تحقیر آمیز رویوں کو نمایاں کرنے کے لیے معدومیت کی اصطلاح برتی تھی۔ بعد ازاں اس سے مراد یہ نکتہ بن گیا کہ محض رائج الوقت اخلاقیات اور ریاست ہی معنویت کے عاری نہیں ہیں بلکہ معاشرہ اور انسانیت کے تصورات بھی لغو ہیں۔ ایک پکے معدومیت پسند کے لئیے کچھ بھی مقدس یا اہمیت کا حامل نہیں ہوتا اور اس کی اپنی ذات بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ معدومیت پسندی انانیت پسندی سے ایک قدم آگے ہے۔

معدومیت سے تحریک پانے والا ایک انتہائی قدم دہشت گردی برائے دہشت گردی ہے، یعنی کسی بھی انتقامی یا پروپیگنڈے کی خواہش سے آزاد دہشت پسندی۔ بہت حد تک یہ انارکسٹ حلقوں ایک فیشن کے طور پر مقبول رہی ہے لیکن دہشت گرد صرف انارکسٹ ہی نہیں ہوتے۔ جارحانہ اور لا تعلق معاشرے میں ایک اقلیتی تحریک انارکیت کی تبلیغ سے مایوسی کے بعد، سماج پر حملہ ایک دلکش سرگرمی بن جاتا ہے۔ یہ رویہ غم وغصے کا تو کوئی علاج نہیں کر سکتا لیکن لاتعلقی کو بے شک ختم کرتا ہے۔ "انہیں مجھ سے نفرت کرنے دو جب تک وہ مجھ سے خوفزدہ ہیں"۔ یہ دہشت پسند کی سوچ ہوتی ہے، لیکن اگر سوچے سمجھے قتل نتیجہ خیز نہیں رہے تو دہشت گردی کے اکا دکا اقدام بھی رد نتیجہ ہی ہوتے ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہو گا کہ انارکیت کو مریضانہ تشدد نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے جو ہمیشہ اس کا جزو حصہ رہا اور ابھی تک بھی ہے۔

معدومیت سے تحریک پانے والی ایک قدرے معتدل صورت بوہیمت کی رہی ہے؛ ایک مستقل مظہر جو صورت حال کے ساتھ اپنا نام بھی تبدیل کر لیتا ہے۔ یہ بھی انارکسٹ تحریک کے کچھ حلقوں میں بطور ایک فیشن مقبول رہی اور یقیناً انارکسٹ تحریک سے باہر دیگر حلقوں میں بھی موثر حثیت رکھتی تھی حملہ کرنے کی بجائے، ایک بوہیمت پسند خود کو معاشرے سے الگ تھلگ کر لیتا ہے۔ معاشرتی اقدار کے ساتھ ٹکراؤ کا راستہ رد کرتے ہوئے وہ، معاشرے کے حوالے سے معاشرے میں رہتا ہے۔ اس رحجان کے حوالے سے کئی ایک نامعقول باتیں پھیلائی گئی ہیں۔ بلاشبہ بوہیمت پسند طفیلی ہو سکتے ہیں مگر یہ بات بہت سارے دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی درست ہو گی۔ دوسرے پہلو سے وہ اپنی ذات کے سوا کسی اور کو نقصان نہیں پہنچاتے، جو بات دیگر بہت سارے افراد کے بارے میں نہیں کہا جا سکتی۔ ان کے بارے میں بہترین رائے یہ دی جا سکتی ہے کہ وہ خود لذتی میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی، معاشرے کی اقدار کو شدت لیکن بلا ضرر طریقے سے رد کرتے ہوئے کچھ بہتر کر سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں بری ترین رائے یہ ہو گی کہ وہ معاشرے کو حقیقت میں چیلنج نہیں کرتے اور اپنا طرز زندگی اختیار کرتے ہوئے توانائی کا رخ اصل ہدف (سماج) سے موڑ دیتے ہیں جو ساری انارکسٹ تحریک کا محور ہے۔

معاشرہ چھوڑنے کا ایک زیادہ تعمیری اور مستقل نوعیت کا طرز عمل۔۔ خود پر انحصار رکھنے والی ایک نئی کمیونٹی تشکیل دینا اور پھر معاشرے سے الگ ہونا ہے۔ بعض ادوار میں یہ ایک مقبول طریقہ رہا ہے مثال کے طور قرون وسطی کی مذہبی حلقوں اور دور حاضر کے بہت سارے دوسرے لوگوں، خاص کر شمالی امریکہ اور فلسطین میں بھی۔۔۔ کچھ گروہوں نے اس طرز زندگی کو اپنائے رکھا۔ انارکسٹ ماضی میں اس طرح کے رحجانات سے متاثر رہے ہیں لیکن دور حاضر میں بائیں بازو کے دیگر افراد کے ساتھ رابطوں کی بنا پر اپنے غیر رسمی گروہ بنانے کی طرف مائل ہیں اور معاشرے سے الگ ہونے کی جگہ معاشرے میں رہتے ہوئے اپنا وجود برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے نئے معاشرے کی تشکیل کے لیے پرانے معاشرے کے اندر نیوکلس کی نمو بھی کہہ سکتے ہیں یا اتھارٹی اور جبر کے تقاضوں سے بچنے کے لئے ایک ممکن پناہ گاہ کا نام بھی دیا جا سکتا ہے جو دوسرے لوگوں کی نظر میں انتہا پسندی بھی نہیں ہوتی۔

جدوجہد کی ایک اور صورت یعنی دائمی احتجاج انارکی کے امکانات سے مایوسی کے باعث جنم لیتی ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق ریاست کی تباہی، نظام کی تبدیلی اور اس کی جگہ انارکیت کے اطلاق کا کوئی امکان نہیں اور مستقبل۔۔ ان معنوں میں اہم نہیں ہے کہ ایک منجمد آئیڈیل/یوٹوپیائی تصور کی تشریح کے لیے وقت برباد کیا جائے، حال سب سے اہم ہوتا ہے؛ ایک تلخ صورتحال کی شناخت اور اس بدصورتی کے خلاف مستقل مزاحمت اہم ہے۔ دائمی احتجاج بہت سارے ایسے سابق انارکسٹوں کا نقطہ نظر ہے جنھوں نے ابھی تک اپنے نظریے کو خیر آباد نہیں کہا، تاہم وہ کامیابی کی امید بھی نہیں رکھتے۔ یہ کچھ فعال انارکسٹوں کا طریقہ بھی ہے جو ابھی اپنے نظریے کو سنبھالے ہوئے ہیں اور آگے بھی بڑھا رہے ہیں جیسے ابھی تک ان کو کامیابی کی امید ہو، لیکن شعوری یا لاشعوری احساس بھی رکھتے ہوں کہ وہ بھی بہتر صورت حال نہیں دیکھ پائیں گے۔ گزشتہ صدی کی انارکسٹ جدوجہد کو اگر ایک سرسری نظر سے دیکھا جائے تو اسے مستقل احتجاج کا نام دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ دعوی کہ تبدیلی نہیں آئے گی اسی قدر رجعت پسندانہ ہے جیسے یہ دعوی کہ تبدیلی آکر رہے گی۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ احتجاج کب موثر ہو گا اور اچانک حال مستقبل میں کب تبدیل ہو جائے گا۔ اصل فرق یہ ہے کہ دائمی احتجاج آخری دستے کا کامیڈی کی صورت میں ایک رد عمل ہے جبکہ انارکسٹوں کی زیادہ تر سرگرمی ایک ہراول دستے کا عمل تصور کیا جاتا ہے یا کسی جدوجہد میں سکاوٹس کا۔۔ جو کبھی جیت نہیں سکتے اور جدوجہد بھی ختم نہیں ہو سکتی اور یہ ابھی لڑے جانے کے قابل ہے

اس لڑائی میں بہترین حربے وہ ہیں جو آزادی اور برابری کی لڑائی میں مجموعی حکمت عملی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں۔۔۔ اپنی نجی زندگی میں گوریلا جھڑپوں سے لے کر ایک بڑی سماجی لڑائی میں صف آرائی تک۔ انارکسٹ ہمیشہ ایک مختصر اقلیت میں ہوتے ہیں۔ اس لئیے ایک میدان جنگ میں ہونے کے اکانات محدود رہیں گے لیکن میدان گرم ہونے کی صورت میں انہیں ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ عمومی طور پر وہ مواقع کامیاب ترین رہے ہیں جب بڑے پیمانے پر دائیں بازو کی تحریک میں انارکسٹ احتجاج انارکسٹوں کی شرکت کا باعث بنا۔۔۔ خاص کر لیبر تحریک، . جنگ کی تیاری یا جنگ کرنے کی صورت میں۔۔۔ امن تحریکوں کے دوران، مذہبی ممالک میں ملائیت مخالف اور انسانیت پسندوں کے حق میں، فوجی یا نو آبادیاتی آزادی، نسلی اور جنسی برابری کے لیے، قانونی اور جیلوں کی اصلاح کے لئے یا پھر سول آزادیوں کے لیئے۔۔۔ انارکسٹوں کی جدوجہد بڑی اہم رہی ہے۔

عمومی طور پر اس طرح کی شرکت سے مراد دوسرے غیر انارکسٹ گروہوں کے ساتھ الائنس یا کچھ انارکسٹ اصولوں کی قربانی ہوتی ہے۔ اس طرح کے معرکوں میں تن من کے ساتھ شرکت کرنے والے ساتھی ہمیشہ کے لئے انارکسٹ تحریک چھوڑنے کے خطرے سے دوچار رہتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی کوششوں سے انکار فرقہ بندی اور بانجھ پن کو دعوت دینے کے مترادف ہے، انارکی کی تحریک صرف اسی صورت میں موثر ہو سکتی ہے جب یہ اپنا مکمل کردار قبول کرے۔ اس طرح کی صورت میں انارکیت کی خدمت دو رخی ہوتی ہے۔ ایک آزاد معاشرے کی ضرورت پر اصرار اور دوسرے اسے حاصل کرنے کے لئے آزادی پسند طریقے پر اصرار کرنا۔ اصل میں یہ ایک ہی خدمت ہے سب سے اہم نکتہ جو ہم اجاگر کر سکتے ہیں وہ یہ نہیں ہے کہ مقاصد ذرائع کا جواز نہیں ہوتے بلکہ ذرائع ہی مقصد متعین کرتے ہیں۔ زیادہ تر صورتوں میں ذرائع ہی اصل مقصد ہوتے ہیں۔ ہم اپنے اعمال کے بارے میں یقین رکھ سکتے ہیں لیکن ان کے نتائج کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

معاشرے کو انارکی کی طرف آگے بڑھانے کے لئیے ان خطوط پر انارکسٹوں کے لیے شرکت کا اچھا موقع ان تنظیموں اور تحریکوں کی شکل میں ہے۔ برطانیہ میں کمیٹی آف ہنڈرڈ، 22 مارچ کی تحریک فرانس میں، ایس ڈی ایس جرمنی میں، پرووس ہالینڈ میں، زینگاکورین جاپان میں اور سول حقوق کی مختلف تحریکیں اور طلبہ کی تحریک امریکہ میں۔ ماضی میں انارکی کے لئیے ایک باندھی تحریک کا موقع بلاشبہ مسلح سنڈیکلیٹ کی صورت میں فرانس، اٹلی، امریکہ اور سب سے بڑھ کر روس اور سپین کے انقلابات کی صورت میں رہا اور دور حاضر میں یہ مواقع ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے حاکمیت پسندانہ انقلابات میں نہیں ہیں جتنے زیادہ ہنگری 1956 اور فرانس 1968 کے ہنگاموں میں میسّر رہے ہیں اور برطانیہ میں جانے کب یہ موقع آئے گا۔

تیسرا ترجمہ

انارکسٹ کمیونزم

اساس اور اصول

مصنف: پیٹر کرپوٹکن

تعارفی نوٹ

روس کے نامور جغرافیہ دان اور عظیم انارکسٹ مفکر پیٹر کرپوٹکن (1842–1921) ایک متمول خاندان میں پیدا ہوئے، لیکن معاشرے میں رائج جبر اور ناانصافی کے مشاہدے نے ان کی سوچ کا رخ انقلاب کی طرف موڑ دیا۔ یورپ میں جلاوطنی کے دوران وہ انارکسٹ تحریک کا حصہ بھی رہے، لیکن ان کی بنیادی شناخت ایک عظیم انارکسٹ مفکر اور نظریہ ساز کی ہے۔

کرپوٹکن کی عمر بھر کی جدوجہد کا بنیادی محور ریاستی جبر، سرمایہ دارانہ استحصال اور مرکزی اقتدار کی مخالفت رہا ہے۔ ان کا علمی و تحقیقاتی کام درجنوں کتب پر مشتمل ہے، جن میں انہوں نے سائنس، اخلاقیات، معاشیات اور سماجیات جیسے متنوع موضوعات پر گہرے افکار پیش کیے ہیں۔ تاہم، ان کی اصل فکری انفرادیت ان کے "نظریۂ امدادِ باہمی" (Mutual Aid) میں پوشیدہ ہے، جس کی بنیاد انہوں نے ارتقا کے سائنسی مطالعے پر رکھی ہے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقا کی ایک عمومی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ یہ کسی بھی نوع کے موزوں ترین افراد کے درمیان "بقا کی جنگ" ہے۔ (سماجیات اور اخلاقیات پر ان تشریحات کے اثرات یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں)۔ پیٹر کرپوٹکن اپنی تحقیقات سے یہ نکتہ سامنے لائے کہ بقا کی اس جدوجہد میں ایک ہی نوع (species) کے افراد کے درمیان "باہمی تعاون" بھی ایک اہم ترین عنصر رہا ہے۔ ارتقا کے مراحل میں وہی انواع آگے بڑھ سکیں جن کے داخلی نظام باہمی تعاون پر مبنی تھے۔ لہٰذا، اس ارتقائی تقاضے کے تحت نسلِ انسانی میں ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل پا گیا جو تعاون، ہمدردی اور باہمی احساس پر مشتمل ہے۔ ایک مفکر کی حیثیت سے کرپوٹکن کی اہمیت اسی امر میں ہے کہ وہ ان جذبات و میلانات کو محض روزمرہ کے مظاہر تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ انہیں ارتقا کے ایک بنیادی اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک امدادِ باہمی محض ایک رویہ یا انفرادی احساس نہیں بلکہ ایک اساسی قوت ہے جو انسانی سماج میں غیر محسوس طریقے سے جاری و ساری ہے۔ چنانچہ اسے سماجیات کا ایک اساسی اصول تصور کیا جانا چاہیے۔

کرپوٹکن محض ایک نظری مفکر نہیں تھے، بلکہ وہ انیسویں صدی کے اس بنیادی فکری سوال سے نبرد آزما تھے کہ انسانی سماج کو کس طرح بہتر اور منصفانہ بنایا جا سکتا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانی ارتقا کی کامیابی اسی باہمی تعاون کی جبلت کی مرہونِ منت رہی ہے جس نے انسان کو فطری چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنایا۔ جدید دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی نے پیداوار کے پیمانوں کو یکسر بدل دیا ہے، جس کے نتیجے میں دولت کی افزائش اور اس کی تقسیم نے نئی پیچیدگیاں اختیار کر لی ہیں۔ اگر انسانی سماج کو ان نئے چیلنجوں کا سامنا کرنا ہے، تو اسے اپنی ارتقائی اساس — یعنی باہمی تعاون — کو ہی نئے سماجی نظام کی بنیاد بنانا ہوگا۔

کرپوٹکن اس تصور کو بنیاد بناتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادوں پر تنقید کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ نظام اپنی اصل میں تعاون کے بجائے مسابقت اور استحصال پر قائم ہے۔ اس کے برعکس وہ ایک ایسے سماج کا تصور پیش کرتے ہیں جو باہمی امداد، رضاکارانہ اشتراک اور ضرورت کی بنیاد پر وسائل کی تقسیم پر استوار ہو۔ ان کے خیال میں پیداوار کے ذرائع اور وسائل پر اجتماعی ملکیت ہی حقیقی آزادی اور مساوات کی ضامن بن سکتی ہے۔

زیرِ نظر مضمون اسی تصور کی توضیع و تشریح پر مبنی ہے۔ اس میں کرپوٹکن نے نہایت سادہ مگر مدلل اسلوب میں انارکسٹ کمیونزم کے بنیادی اصولوں کو واضح کیا ہے اور پیچیدہ نظری مباحث کو قابلِ فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تحریر نہ صرف ان کے فکری نظام کا جامع ترین تعارف ہے، بلکہ انارکسٹ فکر کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی متن کا درجہ بھی حاصل کر چکی ہے۔

مترجم

انارکسٹ کمیونزم

انارکیت، یعنی لاحاکمیت پر مبنی سوشلسٹ نظام، دوہرے ماخذ کا حامل ہے۔ یہ سیاسیات اور معاشیات کے میدانوں میں انیسویں صدی کی دو عظیم تحریکوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے اس صدی کے دوسرے نصف کو ایک منفرد شناخت دی تھی۔ دیگر تمام سوشلسٹوں کی طرح، انارکسٹ بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ زمین، سرمائے اور مشینری کی نجی ملکیت کا دور اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور اب اس کا مقدر ختم ہونا ہی باقی رہ گیا ہے۔ ان کا مؤقف ہے کہ تمام ذرائع پیداوار لازماً معاشرے کی مشترکہ ملکیت میں ہونے چاہئیں اور یہ عمل ناگزیر ہے۔ مزید یہ کہ افزائش دولت سے وابستہ افراد ان کی نظم و ترتیب بھی مشترکہ طور پر کریں گے۔

ریڈیکل سیاست کے ترقی یافتہ ترین نمائندوں کی طرح وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاشرے کی سیاسی ترتیب و تنظیم کا آئیڈیل——معاملات کی ایسی صورت حال یا شرائط کا نام ہے جس میں حکومت کا کردار کم ترین سطح پر ہونا چاہیے اور فرد اپنی لامحدود طور پر متنوع ضروریات کی تشفی کے لیے، آزادانہ تشکیل کردہ خود مختار گروہوں اور انجمنوں کی بنیاد پر—— پیش قدمی اور قوت عمل کی بھرپور آزادی کو بحال کر سکے۔

جہاں تک سوشلزم کا تعلق ہے، بیشتر انارکیت پسند اس کے حتمی نتیجے——یعنی اجرتی نظام کی مکمل نفی اور کمیونزم کے قیام——پر یقین رکھتے ہیں۔ سیاسی ڈھانچے کے حوالے سے، وہ مذکورہ پروگرام کے انقلابی حصے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سماج کا آخری مقصد حکومت کے وظائف کو بتدریج گھٹا کر بالآخر صفر تک لانا ہے، یعنی ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا جو حکومت سے کلیتاً آزاد ہو——انارکی۔ مزید برآں، انارکسٹ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ چونکہ انارکیت سیاسی اور معاشرتی تنظیم کا مثالی نمونہ ہے، اس لیے اسے آنے والی صدیوں تک مؤخر نہیں کیا جانا چاہیے۔ موجودہ سماجی ڈھانچے میں صرف وہی تبدیلیاں پائیدار اور سودمند ثابت ہو سکتی ہیں جو اس دوہرے آئیڈیل——معاشی اور سیاسی——سے ہم آہنگ ہوں اور اسی سمت میں ایک واضح اور مخصوص طریقِ کار کے تحت کی جائیں۔

جہاں تک انارکسٹوں کے اختیار کردہ منہاج کا تعلق ہے، وہ یوٹوپیائی مفکرین کے طریقِ کار سے بالکل مختلف ہے۔ انارکسٹ مفکرین، انسان کی اعلیٰ ترین مسرت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کی کوشش میں، مابعدالطبیعیاتی تصورات——جیسے فطری حقوق یا ریاست کے فرائض——کا سہارا نہیں لیتے۔ اس کے برعکس، وہ وہی راستہ اپناتے ہیں جو جدید فلسفۂ ارتقا سامنے لایا ہے۔ وہ انسانی معاشرے کا مطالعہ کرتے ہیں جیسا کہ یہ حال میں موجود ہے اور ماضی میں رہا ہے۔ وہ نہ تو مجموعی طور پر انسانیت اور نہ ہی انفرادی اشخاص کو ایسی اعلیٰ صفات سے مزین قرار دیتے ہیں جو حقیقت میں ان میں پائی نہیں جاتیں، بلکہ انسانی معاشرے کو محض ایک جاندار عضویہ کا مجموعہ تصور کرتے ہیں جو اس بہترین راستے کی تلاش میں ہے، جس کے ذریعے فرد اپنی ذاتی امنگوں اور انسانی فلاح کے لیے اپنے باہمی تعاون کے رجحان میں ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ وہ معاشرے کا مشاہدہ کرتے ہیں، ماضی اور حال کے نمایاں رجحانات دریافت کرتے ہیں، اس کی بڑھتی ہوئی معاشی اور ذہنی ضروریات کا جائزہ لیتے ہیں، اور اپنے انارکسٹ آئیڈیل کے حوالے سے صرف یہ طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ارتقا کس سمت میں بڑھ رہا ہے۔ وہ انسانی اجتماع کی حقیقی ضروریات اور رجحانات کو اُن حادثاتی عوامل——جیسے علم کی جستجو، نقل مکانی، جنگیں اور فتوحات——سے واضح طور پر الگ کرتے ہیں، جنہوں نے ان حقیقی ضروریات کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک، انسانی تاریخ میں دو رجحانات ہمیشہ——اگرچہ اکثر لاشعوری طور پر——نمایاں رہے ہیں: پہلا، محنت کو اس طرح ایک وحدت میں ضم کرنے کا رجحان کہ دولت کی اجتماعی پیداوار میں کسی فرد کے انفرادی حصے کی تفریق ممکن نہ رہے؛ دوسرا، فرد کو مکمل آزادی دینے کا رجحان تاکہ وہ اپنے تمام مقاصد کی تکمیل کر سکے جو اس کے لیے اور مجموعی طور پر معاشرے کے لیے سودمند ہوں۔ چنانچہ، انارکی کا آئیڈیل اس صورتحال کا مختصر اظہار ہے جسے انارکسٹ ارتقا کا اگلا مرحلہ سمجھتے ہیں۔ مزید برآں، یہ اب محض عقیدے کا نہیں بلکہ سائنسی مباحثے کا موضوع ہے۔

اس صدی کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک اشتراکیت کا فروغ ہے اور دوسری مزدور طبقے میں اشتراکی خیالات کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ہے۔ ایسا کیونکر نہ ہوتا؟ ہم نے اپنی پیداواری قوتوں میں اچانک بہت زیادہ اضافہ دیکھا ہے اور نتیجے میں دولت کے ایسے انبار جنہوں نے مثبت ترین اندازوں کو بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ مگر دولت میں اضافہ جو سائنس دانوں، مینجروں اور محنت کشوں کی مشترکہ کوششوں کے باعث ممکن ہوا، وہ ہمارے اجرتی نظام کی وجہ سے صرف سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں دولت کے بے نظیر انبار کی شکل اختیار کر گیا۔ محنت کشوں پر اس کے اثرات یہ ہوئے کہ ایک کثیر تعداد مزید پریشانیوں کا شکار ہو گئی اور زندگی کی غیر یقینی صورتحال میں اضافہ ہوتا گیا۔ غیر ہنر مند مزدور، جو مسلسل روزگار کی تلاش میں رہتے ہیں وہ مفلسی کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ بہترین اجرت پانے والے کاریگر اور ہنر مند مزدور بھی مستقل خطرے سے دوچار رہتے ہیں کہ صنعت کے مسلسل اور ناگزیر اتار چڑھاؤ اور سرمایہ دارانہ نظام کی بے ضابطگیوں کے باعث وہ بھی غیر ہنر مند مفلسوں جیسے ہو جائیں گے۔

جدید کروڑپتی جو انسانی محنت کی کمائی کو فضول خرچی اور عیش و عشرت میں اڑاتا ہے اور فاقہ کش غریب جو مصائب زدہ اور بے یقینی کا شکار ہیں، ان دونوں کے درمیان خلیج اتنی بڑھ چکی ہے کہ معاشرے کی وحدت کو خطرات درپیش ہیں، جو آئندہ ترقی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

لیکن جوں جوں محنت کش آگاہی حاصل کر رہے ہیں کہ جدید صنعت دولت پیدا کرنے کا کتنا طاقتور ذریعہ ہے، اور افزایش دولت کے عمل میں ان کی محنت کیا مقام رکھتی ہے اور یہ کہ ان کی تنظیم کس حد تک موثر ہو سکتی ہے۔۔ ان کے لیے معاشرے کی ان طبقات میں تقسیم ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ جس تناسب سے عوام میں علم کا پھیلاو ہوتا ہے، اور سارے طبقات عوامی مسائل میں فعال حصہ لینا شروع کرتے ہیں، برابری کے لیے ان کی آوازیں بھی بلند تر ہونا شروع ہو جاتیں ہیں اور یوں سماج کی از سر نو تعمیر کا مطالبہ شدت پکڑتا جاتا ہے۔ اُن کو مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مزدور اپنی پیدا کردہ دولت میں اپنا حصہ طلب کرتا ہے۔ وہ پیداوار کی تنظیم میں اپنی جگہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اپنے لیے صرف عمومی مسرت پر مطمئن نہیں رہتا بلکہ سائنس اور فنون سے اعلی درجے پر لطف اندوز ہونے کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ ایسے مسائل جن پر پہلے سماجی مصلحین آواز بلند کرتے تھے، وہ اب فیکٹری مزدوروں اور کسانوں کے مطالبات بن جاتے ہیں۔ یوں وہ انصاف کے لیے ہماری عمومی حساسیت سے اس حد مطابقت اختیار کر لیتے ہیں کہ دن بدن اشرافیہ میں سے ابھرنے والی ایک اقلیت بھی ان کی حمایتی بن جاتی ہے۔ لہذا اشتراکیت انیسویں صدی کا نظریہ بن چکا ہے اور اب نہ تو جعلی اصلاحات اور نہ ہی جبر اس کی مزید مقبولیت کو روک سکتے ہیں۔

محنت کشوں کی سیاسی حقوق تک رسائی سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ کی گئی تھیں۔ مگر اقتصادی تبدیلیوں سے منسلک نہ ہونے کی وجہ سے یہ مراعات دھوکہ ثابت ہوئیں۔ان سے محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد کے مادی حالات میں کوئی بہتری نہ آسکی۔ لہذا سوشلزم کا اصول یہ ہے: "محض معاشی آزادی ہی ایسی چیز ہے جو سماجی آزادی کو محفوظ بنیادوں پر کھڑا کر سکتی ہے۔ مزید براں، جب تک اپنے تمام تر نقصان دہ اثرات کے ساتھ اجرت کا موجودہ نظام ختم نہیں ہو جاتا، سوشلسٹ نعرہ محنت کشوں کو تحریک دیتا رہے گا، حتی کہ یہ اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔

معاشی مسائل میں ایک بڑے فکری رجحان کے ساتھ ساتھ، سیاسی حقوق، سیاسی تنظیم اور حکومت کے کردار کے بارے میں بھی ایک مؤثر تحریک جاری ہے۔ سرمائے کی طرح حکومت کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بہت سے ریڈیکل مفکرین نے عالمگیر حقِ رائے دہی اور جمہوری اداروں کو سیاسی حکمت کا آخری سنگِ میل سمجھا، لیکن کچھ لوگوں نے اس سے آگے بڑھنے کی جرات کی۔ انہوں نے نا صرف ریاست اور حکومت کے حقیقی فرائض بلکہ فرد کے ساتھ اس کے برتاؤ پر بھی بھرپور اور شدید تنقید کی۔ وسیع پیمانے پر تجربات کے بعد نمائندہ حکومت کے مزید نقائص واضح ہو کر سامنے آئے۔ یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ یہ خامیاں محض حادثاتی نہیں بلکہ خود نظام کے ڈھانچے میں پیوست ہیں۔ پارلیمان اور اس کی مجلسِ عاملہ (ایگزیکٹو کمیٹی) کمیونٹی کے متنوع امور سنبھالنے اور ریاست کے مختلف، بلکہ اکثر متضاد، مفادات میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ انتخابی عمل بھی ایسے نمائندے سامنے لانے میں ناکام رہا ہے جو واقعی کسی قوم کی حقیقی نمائندگی کر سکیں اور پارٹی سیاست سے بالاتر ہو کر اہم معاملات پر قانون سازی انجام دے سکیں۔ ان خامیوں کی شدت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خود نمائندہ حکومت کا اصول ہی سخت تنقید کی زد میں ہے، اور اس کی منصفانہ حیثیت پر سنجیدہ شکوک کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

اختیارات کی مرکزیت رکھنے والی حکومتوں کے پوشیدہ خطرات اس وقت ایک بار پھر نمایاں ہو گئے، جب سوشلسٹوں نے کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کیا اور طاقت میں اضافہ کرنے کے لیے ایسے متعدد شعبے بھی اپنی عملداری میں شامل کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا جو اُس وقت افراد کے مابین معاشی تعلقات کے دائرے میں آتے تھے۔ یوں یہ سوال ابھر کر سامنے آیا کہ آیا تجارت اور صنعت کے انتظام کی ذمہ دار حکومت امن اور آزادی کے لیے مستقل خطرہ نہیں بن جائے گی، اور کیا وہ ایک مؤثر و قابلِ اعتماد منتظم کے طور پر باقی رہ بھی سکے گی؟

انیسویں صدی کے پہلے نصف کے سوشلسٹ اس مسئلے سے جڑی پیچیدہ مشکلات کا مکمل ادراک نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ وہ معاشی اصلاحات کی ضرورت کے قائل تھے، اس لیے ان میں سے بیشتر نے فرد کی آزادی کے تحفظ پر خاطر خواہ توجہ نہ دی۔ نتیجتاً وہ ایسے اصلاح پسند دکھائی دیتے ہیں جو سوشلسٹ اصلاحات کے حصول کے لیے معاشرے کو کسی بھی قسم کی ملائیت یا آمریت کے سپرد کرنے پر آمادہ تھے۔ اسی بنا پر انگلینڈ اور براعظم یورپ میں ترقی پسند نظریات رکھنے والے افراد کے درمیان ایک واضح تقسیم پیدا ہوئی —— پولیٹیکل ریڈیکل اور سوشلسٹ کے دو الگ دھڑوں کی صورت میں۔ پہلا گروہ دوسرے پر اعتماد کرنے سے گریز کرتا تھا، کیونکہ اس کے نزدیک سوشلسٹ سیاسی آزادیوں کے لیے ایک ممکنہ خطرہ تھے، وہ آزادی جو مہذب اقوام نے طویل اور کڑی جنگوں کے بعد حاصل کی تھی۔ آج جب کہ پورے یورپ میں سوشلسٹ منظم سیاسی جماعتوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں، بیشتر غیر جانب دار افراد کے ذہنوں میں اب بھی "عوامی ریاست" کا تصور ایک گہرے خوف کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ یہ ریاست بھی آزادی کے لیے اُتنا ہی بڑا خطرہ بن سکتی ہے جتنا کسی بھی قسم کی آمریت، خاص طور پر جب پیداوار، دولت کی تقسیم اور دیگر تمام سماجی اداروں کا انتظام براہِ راست حکومت کے سپرد کر دیا جائے۔

تاہم حالیہ ارتقا نے اعلیٰ درجے کی ایک ایسی سماجی تنظیم (سوشل آرگینزائیشن) کی ضرورت اور اس کے امکانات کی طرف راستہ ہموار کیا ہے جو ایک فرد کو ریاست کی غلامی میں دیئے بغیر معاشی آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔ حکومت کے آغاز کا محتاط مطالعہ کیا گیا ہے اور تمام مابعد لطبیعاتی نظریات مثلاً "آفاقیت" یا "عمرانی معاہدہ" کو رد کر دیا گیا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے درمیان ریاست کی ابتدا جدید دور میں ہوئی۔ مزید، اس کی طاقت میں اضافہ بھی اسی تناسب سے ہوتا رہا، جس تناسب سے مختلف ادوار کے دوران سماج میں مراعات یافتہ اور غیر مراعات یافتہ طبقات کی افزائش میں اضافہ ہوا۔ نمائندہ حکومت کو بھی اس کی اصل قدر اور اہمیت تک محدود کیا گیا ہے، یعنی ایک ایسے ذریعے کے طور پر جس نے آٹوکریسی کے خلاف جدوجہد میں نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں۔۔ اور ایک آزاد سیاسی ادارے کی حیثیت سے ایک آئیڈیل کے طور پر نہیں۔ جہاں تک اس فلسفیانہ نظام کا تعلق ہے جسے ریاست کی شکل میں ترقی کا ایک بے مثال رہنما نظر آتا تھا، وہ اس بات کے واضح ہونے پر مزید متزلزل ہو گیا کہ موثر ترین ترقی اس وقت ہوتی ہے جب ریاستی مداخلت سے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ لہذا، یہ بات قریباً ثابت ہو چکی ہے کہ سماجی زندگی میں مزید ترقی کی سمت، اقتدار اور انتظامی طاقت کو ریاستی مرکزیت کی شکل دینے میں نہیں ہے بلکہ عدم مرکزیت کی صورت میں ہے، یعنی عوامی کاموں کی ذیلی تقسیم۔۔۔ ان کی ماہیت اور دائرہ کار کے لحاظ سے بھی۔ یہ آزادانہ طور پر تشکیل شدہ گروپوں کے سامنے ان فرائض سے دستبرداری کا اعلان ہے جو اب تک حکومت کی عملداری میں تصور کیے جاتے ہیں۔

اس فکری تحریک کا اظہار صرف علمی سطح پر ہی نہیں ہوا بلکہ اس کی جھلک زندگی میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ پیرس کمیون کی بغاوت اور اس کی پیروی میں کارٹیجینیا کمیون نے تاریخ کا ایک نیا باب روشن کیا۔۔ ایک ایسی تحریک جس کے تاریخی مضمرات کو کافی حد تک نظرانداز کیا جا چکا ہے۔ اگر محض تحریک کے تجزیے پر اکتفا نہ کریں، ذہنوں پر ہونے والے اثرات، اور کمیونل انقلاب سے پیدا ہوئے رجحانات پر بھی غور کریں تو ہمیں اس طرف اشارہ کرتی علامات صاف دکھائی دیتی ہیں کہ مستقبل کا انسانی اجتماع جو معاشرتی اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، وہ ایک آزادانہ زندگی کی شروعات کرے گا اور کسی قوم کے زیادہ پسماندہ لوگوں کو ایک مثال بن کر بدلنے کی کوشش کرے گا، بجائے اس کے کہ اپنا نکتہ نظر قانون اور طاقت سے نافذ کرے یا پھر عوامی رائے کو مانے جو اصل میں ذہن عامہ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اسی طرح کمیون میں نمائندہ حکومت کی ناکامی نے اپنے طور پر یہ ثابت کر دیا کہ سیلف (خود مختار) گورنمنٹ اور سیلف ایڈمینسٹریشن کا اطلاق محض علاقائی (فزیکل معنوں میں) مفہوم سے وسیع چاہیے۔ یہ اسی صورت میں موثر ہو گی جب ایک آزاد کمیونٹی کی رسائی مختلف سرگرمیوں تک ممکن ہو، صرف ایک علاقائی حدود کے اندر حکومتی اقدامات کے کوئی معانی نہیں ہوں گے، نمائندہ حکومت ایک شہر میں بھی اسی طرح ناقص ہے جس طرح ایک قوم کی سطح پر ہے۔ زندگی نے عدم حکومت کے نظریے کو مزید ثبوت فراہم کیے ہیں اور انارکسٹ نظریے کو ایک نئی توانائی بخشی ہے۔

انارکسٹ، سیاسی اور معاشی آزادی کے لیے مذکورہ دونوں رجحانات کے منصفانہ کردار کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور مساوات کی ضرورت جو کہ تاریخ میں بیان کردہ جدوجہد کا خلاصہ ہے۔۔۔ کے حوالے سے دو مختلف رجحانات کا اظہار دیکھتے ہیں۔ لہذا تمام سوشلسٹوں کے ساتھ ہم آواز، انارکسٹ سیاسی مصلحین سے کہتے ہیں: "جب تک معاشرہ دو متحارب گروہوں میں تقسیم اور معاشی حوالے سے کارکن اپنے آجر کا غلام ہے، اس وقت تک سیاسی مساوات کے ضمن میں کوئی حقیقی اصلاح یا حکومتی اختیارات کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ مگر ریاستی سوشلسٹوں سے بھی ہم کہتے ہیں" آپ ملکیت کے موجود نظام کو اس وقت تک تبدیل نہیں کر سکتے جب تک کہ سیاسی ڈھانچہ میں موثر تبدیلی متعارف نہ کروائیں۔ لہذا ضروری ہے کہ آپ حکومت کی طاقت محدود کریں اور پارلیمانی نظام کو خیر آباد کہہ دیں۔

ہر نئے معاشی دور کو ایک نئے سیاسی ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مطلق العنان شہنشاہیت غلامی کے دور کی پیداوار ہے، اور نمائندہ حکومت سرمایہ داری کا نتیجہ۔ مگر دونوں ہی طبقاتی حکمرانی کی صورتیں ہیں۔ ایسے معاشرے میں جہاں سرمایہ اور محنت کا فرق ختم ہو چکا ہو، اس نوع کی حکومت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی؛ یہ ایک تاریخی مغالطہ اور لایعنی تصور ہوگا۔ آزاد کارکنوں کو ایک آزاد تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے—— اور اس کی بنیاد آزادانہ معاہدوں اور آزادانہ تعاون کے سوا کسی اور شے پر رکھی نہیں جاسکتی—— بشر طیکہ فرد کی خود مختاری کو ریاست کی ہمہ گیر مداخلت کے سامنے قربان نہ کیا جائے۔ سرمایہ داری کے خاتمے کا لازمی مطلب ہی لاحکومتی نظام ہے۔

لہذا اس سے مراد انسان کی سرمایہ دارانہ اور ریاستی قوتوں کے جبر سے بیک وقت آزادی بھی ہے۔ یوں انارکیت کا نظام ان دو طاقت ور فکری لہروں کا ادغام بن جاتا ہے جو ہماری اس صدی کی نمایاں خصوصیت ہے۔

ان نکات تک پہنچتے ہوئے، انارکیت اُن نتائج سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے جن تک فلسفۂ ارتقا پہلے ہی رسائی حاصل کر چکا ہے۔ فلسفۂ ارتقا نے تنظیم کے لچکدار خصائص کو نمایاں کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ جاندار، اپنی شرائطِ حیات کے ساتھ مطابقت کے عمل میں، اپنی بہترین خصوصیات کو اجاگر کرتا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں وہ تمام صلاحیتیں نشو و نما پاتی ہیں جو جزو (فرد) کو کل کی ضروریات کے مطابق تعاون کے قابل بناتی ہیں، اور کل (یعنی معاشرہ) اپنے ماحول سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے مزید برآں، ہمیں یہ بصیرت بھی ملتی ہے کہ نامیاتی دنیا میں زندگی کے لیے ضروری صلاحیتوں کی ترقی اسی تناسب سے ہوتی ہے، جس تناسب سے جاندار مرکب اکائیوں میں ضم ہو کر تکمیل کے مراحل طے کرتا ہے۔ یہی نکتہ سماجی اخلاقیات کے مفکرین پہلے ہی بیان کر چکے ہیں جب وہ انسان کی *"فطرتِ کاملہ"* پر بحث کرتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہد البقا کے طویل عمل میں "موزوں ترین" وہی قرار پاتے ہیں جو عقلی علم کو اس عملی علم سے ہم آہنگ کرتے ہیں جو دولت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے—— نہ کہ وہ افراد جو محض اس لیے امیر ہیں کہ وہ یا ان کے آباؤ اجداد عارضی طور پر سب سے زیادہ طاقتور رہے۔ اس وضاحت کے ساتھ، جہد البقا کو صرف اس محدود مفہوم میں نہیں لینا چاہیے کہ یہ محض افراد کے درمیان ذرائعِ پیداوار کے حصول کی جدوجہد ہے؛ بلکہ اس کے وسیع تر معنوں میں یہ وہ اعلیٰ ترین مطابقت ہے جو تمام افراد اپنے حالات کے ساتھ نسلِ انسانی کی بقا کے لیے قائم کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف فرد واحد بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے خوشگوار اور زندگی سے بھرپور امکانات کا مجموعہ ہے۔ یہ زاویۂ نظر ہمیں یہ موقع بھی فراہم کرتا ہے کہ ہم اخلاقیات کے اصول براہِ راست بنی نوع انسان کی سماجی ضروریات اور عادات سے اخذ کر سکیں۔ اسی کے ساتھ یہ اخلاقی ارتقا میں مثبت قوانین کے لامحدود کردار اور مفادِ عامہ کے لیے احساسات کی قدرتی نشو و نما کی اہمیت کو بھی نمایاں کرتا ہے—— وہ احساسات جو اسی لمحے نمو پانے لگتے ہیں جب زندگی کے لیے موافق حالات اور ان کی پرورش کے لیے سازگار فضا میسر آجائے۔ انسانی معاشرے کا حیاتیاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے، فلسفۂ ارتقا بالآخر اسی نتیجے پر پہنچتا ہے جس پر انارکسٹ انسانی تاریخ اور موجودہ رجحانات کے مشاہدے سے پہنچے ہیں: یعنی یہ کہ انسان کی مزید ترقی کا راز دولت کے سماجیانے (Socialization) اور فرد کی مکمل آزادی کو بنیاد بنا کر مشترکہ محنت کے نظام میں پوشیدہ ہے۔

انسانی تاریخ کے طویل ترین ادوار اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ وہ تمام ذرائع پیداوار، جن کے ذریعے انسان اپنی پیداوار میں اضافہ کر سکتا ہے یا اسے برقرار رکھ سکتا ہے، ہمیشہ چند افراد کی ملکیت میں رہے ہیں۔ زمین—— جو مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ناگزیر ضرورت ہے—— چند افراد کی ملکیت میں ہے، اور اس کے مالک جب چاہیں کمیونٹی کو اس کی کاشت سے روک سکتے ہیں۔ اسی طرح کوئلے کی کانیں—— جو نسلوں کی محنت کا ثمر ہیں اور جن کی اصل قیمت صنعت، ریلوے، وسیع تجارت اور گھنی آبادی کی ضروریات سے جڑی ہے—— بھی چند افراد کی ملکیت ہیں۔ ان مالکان کو یہ اختیار ہے کہ جب چاہیں سرمایہ کسی اور شعبے میں لگا کر کانوں سے کوئلہ نکالنا بند کر دیں۔ کپڑا تیار کرنے والی مشینیں، جو اپنی موجودہ اعلیٰ کارکردگی کی حالت میں لنکاشائر کی تین نسلوں کی محنت کا نتیجہ ہیں، آج چند مالکان کے قبضے میں ہیں۔ اگر اس جولاہے کا پوتا، جس نے اس مشین کی بنیاد رکھی تھی، آج اس مشین پر ملکیت کا دعویٰ کرے، تو اسے صاف کہہ دیا جائے گا: *"تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں!"* ریلوے، جو موجودہ گھنی آبادی، اس کی صنعت، تجارت اور آمد و رفت کے بغیر محض لوہے کا بیکار ڈھیر ہے، چند حصے داروں (شیئر ہولڈرز) کی ملکیت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں شاید علم بھی نہ ہو کہ ان کی ریلوے کہاں واقع ہے، لیکن وہ اس سے سالانہ آمدنی وصول کرتے ہیں، جو قرونِ وسطیٰ کے کسی بادشاہ کی آمدنی سے زیادہ ہے۔ اور اگر ان ہزاروں مزدوروں کے بچے، جنہوں نے ان سرنگوں کی کھدائی میں اپنی جانیں گنوائیں، آج ایک بھوکا اور نادار گروہ بن کر ان حصے داروں سے روٹی یا روزگار کا مطالبہ کریں، تو انہیں سنگینوں اور گولیوں سے جواب دیا گا۔

کوئی سوفسطائی ہی یہ کہنے کی جرات کرے گا کہ یہ بندوبست منصفانہ ہے؟۔۔۔ اور جو غیر منصفانہ ہے وہ انسانیت کے لیے سود مند نہیں ہو سکتا۔۔۔ سچ بھی یہی ہے۔ اس طاقت ور اور خوف ناک بندوبست کے سبب، ایک کسان کا بیٹا جب کام کے قابل ہوتا ہے تو اسے کاشت کے لیے زمین کا ایک ایکڑ بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ استعمال کے لیے کوئی مشین تک میسر نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ اپنی محنت اس معاوضے پر بیچنے کے رضامند نہ ہو جائے جو اس کی اصل قیمت سے کم ہوتا ہے۔ اس کے باپ دادا نے ان کھیتوں کی آبپاشی میں مدد کی ہوتی ہے یا فیکٹری کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا ہوتا ہے۔۔۔ اپنی صلاحیتوں سے مکمل طور پر کام لیتے ہوئے اور شاید کوئی بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن اسے ایسی دنیا کا سامنا ہوتا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ سنگدل ہوتی ہے۔ اگر وہ زراعت کا سہارا لیتا ہے تو اسے اراضی کا ایک ٹکڑا کاشت کرنے کی اجازت ہوگی، بشر طیکہ وہ اپنی پیداوار کا ایک حصہ زمین کے مالک کو دینے پر رضامند ہو۔ اگر وہ صنعت کی طرف آئے گا تو کام کرنے کی اجازت ہوگی لیکن اس شرط پر کہ اس نے جو تیس شلنگ کی پیداوار کی ہے اس میں سے دس شلنگ یا اس سے زیادہ وہ مشین کے مالک کو ادا کرے۔ وہ ان جاگیردار نوابوں کے خلاف چیخ و پکار کرتے ہیں جو اپنی زمین پر کسی اور کو ٹکنے نہیں دیتے جب تک کہ وہ فصل کا ایک چوتھائی حصہ مالک کو ادا نہ کریں۔ لیکن ہم یہ عمل جاری رکھے ہوئے ہیں جس پر کہ وہ عمل پیرا تھے؛ ہم ان کے نظام کو مزید آگے بڑھا رہے ہیں۔ شکل بدل چکی ہے جبکہ روح ابھی تک برقرار ہے۔ مزدور کو جاگیردارانہ شرائط قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے جسے ''آزادانہ معاہدہ'' کہا جاتا ہے کیونکہ اسے کہیں بھی حالات بہتر نہیں ملیں گے۔ ہر شے پر کسی دوسرے نے ملکیت قائم کرلی ہے. اسے یہ معاہدہ ہر حالت میں قبول کرنا ہوگا وگرنہ فاقہ کشی اس کا مقدر ہوگی۔

چنانچہ، اس صورتِ حال نے ہماری پیداوار کو ایک غلط سمت پر ڈال دیا ہے۔ اب یہ کمیونٹی کی ضروریات کے مطابق نہیں رہ گئی؛ اس کا واحد مقصد سرمایہ دار کے منافع میں اضافہ بن چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں صنعت مسلسل اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے، اور ہر دس برس بعد ایک نئے بحران کا سامنا کرتی ہے، جو ہزاروں افراد کو روزگار سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ لوگ بے بسی کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں، ان کے بچے مفلسی میں پلتے ہیں، اور محنت کش یا تو محنت گھروں کا رزق بنتے ہیں یا جیل خانوں کا۔ مزدور اپنی اجرت سے اس پیداوار کو خریدنے کے قابل ہی نہیں رہتے جو وہ اپنے ہاتھوں سے تخلیق کرتے ہیں۔ چنانچہ صنعت کو مجبوراً کہیں اور منڈیاں تلاش کرنا پڑتی ہیں، دوسرے ممالک کے متوسط طبقے میں گنجائش ڈھونڈنی پڑتی ہے۔ اس کی نظریں مشرق، افریقہ، اور دنیا کے کسی بھی کونے کی کھوج میں رہتی ہیں جہاں منڈی کا امکان ہو۔ یہ تجارتی معاہدوں کے ذریعے بھارت، مصر یا کانگو میں غلاموں کی صفیں بڑھاتی ہے۔ مگر جہاں بھی پہنچتی ہے، وہاں دوسری قومیں بھی تیزی سے صنعتی ترقی کی اسی دوڑ میں شامل ملتی ہیں، اور یوں جنگیں شروع ہوتی ہیں—— مسلسل جنگیں! دنیا کی منڈیوں پر بالادستی کے لیے لڑی جانے والی جنگیں، مشرق پر قبضے کی جنگیں، سمندروں پر اجارہ داری کی جنگیں، اور غیر ملکی تجارت پر بھاری محصول لگانے کے حق کی جنگیں۔ یورپی توپوں کی گرج کبھی مدھم نہیں پڑتی۔ وقتاً فوقتاً پوری نسلیں خاک و خون میں نہلا دی جاتی ہیں، اور ہم اپنی ریاستوں کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ ہتھیاروں پر لٹا دیتے ہیں۔ اپنی افواج پر بجٹ کا دو تہائی خرچ کر ڈالتے ہیں—— وہ آمدنی جو غریب جانتے ہیں، کس مشقت سے جمع ہوتی ہے۔

آخر کار، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا ہماری اخلاقیات پر انتہائی بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ ہمارا اخلاقی اصول درس دیتا ہے: "اپنے ہمسائے سے بھی اسی طرح محبت کرو جیسے خود سے کرتے ہو" لیکن ایک بچے کو اپنے اصول پر عمل پیرا ہونے دیں اور اپنا کوٹ غریب کانپتے ہوئے آدمی کو دان کرنے دیں۔ اس کی ماں اسے سبق دے گی کہ قوانین سے کبھی بھی مراد، ان کا سیدھا مفہوم نہیں ہوتا۔ اگر وہ ان کے مطابق رہنے کی کوشش کرے گا تو اپنے ارد گرد غربت کا مداوا کیے بغیر ایک دن وہ خود ننگے پاؤں زندگی گزارے گا"۔ اخلاقیات لفظی مفہوم میں تو درست ہو سکتی ہے لیکن عملی طور پر نہیں۔ ہمارے مبلغ ارشاد فرماتے ہیں: جو کام کرتا ہے وہ عبادت کرتا ہے" مگر ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ دوسرے اس کے لیے کام کریں۔ وہ کہتے ہیں: "جھوٹ مت بولو" اور سیاست ایک عظیم جھوٹ ہے۔ خود کو اور اپنے بچوں کو اس دوغلی اخلاقیات میں زندہ رہنے کی عادت ڈالتے ہیں جو ایک منافقت ہے اور چالاکی سے اس دوغلے کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ منافقت اور سوفسطائیت ہماری زندگیوں کے ستون بن جاتے ہیں۔ کوئی معاشرہ اس طرح کی اخلاقیات کے سہارے نہ چل سکتا ہے اور نہ زندہ نہیں رہ سکتا ہے، اسے تبدیل ہونا چاہیے اور یہ تبدیل بھی ہو گا۔

یوں اخلاقیات اپنی لفظی صورت میں تو معتبر دکھائی دیتی ہیں، مگر عملی زندگی میں ان کا وجود محض ایک دھندلا سا سایہ بن کر رہ گیا ہے۔ ہمارے واعظ اعلان کرتے ہیں: *"جو کام کرتا ہے، وہ عبادت کرتا ہے"*، لیکن عملاً ہر شخص یہ جتن کرتا ہے کہ دوسروں سے اپنے لیے کام کروائے۔ وہ نصیحت کرتے ہیں: *"جھوٹ مت بولو"*، لیکن سیاست ایک مسلسل اور ہمہ گیر جھوٹ کی مجسم صورت اختیار کر چکی ہے۔

اس لیے اصل سوال محض ''روٹی'' کے مسئلے کا نہیں، بلکہ انسانی زندگی کی تمام سرگرمیوں کے پورے تناظر کا ہے۔ بلاشبہ اپنی بنیاد میں سماجی معاشیات کا سوال سمیٹے ہوئے ہے۔ لہذا ہم نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ. پیداوار کے ذرائع اور معاشرے کی تمام تر ضروریات کی تشفی کے ذرائع۔۔۔ تمام انسانوں کی مشترکہ کاوشوں سے پیدا ہونے کے سبب، سب کی رسائی میں ہونے چاہیں؛ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت نہ ہی منصفانہ ہے اور نہ ہی سود مند ہے۔ دولت پیدا کرنے والوں کا اور اسے استعمال کرنے والوں کا درجہ، ایک دوسرے کے مساوی ہونا چاہیے۔ صدیوں کی جنگوں اور جبر سے پیدا ہونے والے تکلیف دہ حالات سے نکلنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ آزادی اور برابری کی سمت میں مزید پیش رفت کی واحد ضمانت بھی یہی ہو گی جو نسل انسانی کی، گرچہ پوشیدہ لیکن ہمیشہ سے ایک حقیقی منزل رہی ہے۔

II

مشترکہ محنت کو پیداوار اور دولت کی بنیاد تسلیم کرتے ہوئے، ان تصورات سے بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ انارکسٹ صرف کمیونزم ہی کو وہ واحد مساوات پر مبنی نظام کیوں سمجھتے ہیں، جس کے ذریعے انفرادی محنت کی موزوں اجرت ممکن ہو سکتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب زراعت سے وابستہ کوئی خاندان، چند اضافی گھریلو دستکاریوں کے ساتھ، یہ گمان کر سکتا تھا کہ اس کی پیدا کردہ مکئی اور ہاتھ سے بنے ہوئے کپڑے صرف اسی کی محنت کا ثمر ہیں اور ان میں کسی غیر کا حصہ نہیں۔ مگر یہ خیال اُس وقت بھی حقیقت سے بعید تھا، کیونکہ بستیوں کو جوڑنے والی سڑکیں اور ہموار کیے گئے جنگلات مشترکہ محنت کا نتیجہ تھے، اور اکثر لوگوں کو اپنی ضرورت کے وقت برادری سے مدد مانگنی پڑتی تھی——ایسی روایت جو آج بھی کئی دیہات میں زندہ ہے۔ اب جبکہ صنعت کا ڈھانچہ ایک دوسرے میں پیوست شاخوں کی مانند ہو چکا ہے، جہاں ہر شعبہ دوسرے کو سہارا دیتا ہے، اس انفرادیت پر مبنی تصور کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگر اس ملک کی کپڑا سازی اور لوہے کی تجارت اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچی ہیں تو یہ ارتقاء دراصل ہزاروں دیگر چھوٹی بڑی صنعتوں کی متوازی ترقی کے ساتھ جڑا ہے: ریل کے جال کی توسیع، ہنر مند کاریگروں کے علم میں وسعت، پیدا کنندگان میں تنظیمی مہارت کی تدریجی افزائش، اور سب سے بڑھ کر عالمی تجارت کا فروغ——وہی تجارت جو ہزاروں میل دور انجام پانے والے کاموں سے ممکن ہوئی۔ سوچئے، سوئز نہر کی کھدائی کے دوران ہیضے سے جان ہارنے والے اطالوی مزدور، یا سینٹ گوٹھارڈ سرنگ میں "ٹنل بیماری" کے ہاتھوں زندگی گنوانے والے کارکن، اس ملک کی دولت میں اتنا ہی اضافہ کر گئے جتنا مانچسٹر میں مشینوں پر دن رات محنت کرنے والی وہ برطانوی لڑکی، جو وقت سے پہلے بڑھاپے کی دہلیز پر جا پہنچی؛ اور یہ لڑکی اتنی ہی اہم ہے جتنا وہ انجینئر جس نے مشینری میں ایسی تبدیلیاں کیں جن سے محنت میں بچت ممکن ہوئی۔ ہم کس طرح اپنے ارد گرد ماحول کی مجموعی دولت میں افراد کے حقیقی حصہ کی حتمی پیمائش کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

بے شک ہم لوہے کے صنعت کار کی تخلیقی اور تنظیمی صلاحیتوں کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کی تمام فطانت اور توانائی کا دسواں حصہ بھی عملی شکل اختیار نہ کرتا اگر اسے برطانوی کارکنوں، ہنر مندوں اور قابل اعتماد منتظموں کی جگہ، منگولیائی چرواہوں یا سائبیریا کے دہقانوں سے معاملات طے کرنا پڑتے۔ ایک انگریز لاکھ پتی سے جو گھریلو صنعت کے ایک شعبے کو متحرک کرنے میں کامیاب ہوا، پچھلے دنوں پوچھا گیا کہ ان کے نزدیک، اس کامیابی کے اصل اسباب کیا ہیں تو ان کا جواب تھا: "میں نے ہمیشہ متعلقہ شعبے کے لیے صحیح آدمی کا انتخاب کیا اور اسے مکمل آزادی دی—البتہ، یقینی طور پر میں نے عمومی نگرانی برقرار رکھی"۔ "کیا آپ کبھی ایسا فرد ڈھونڈنے میں ناکام ہوئے ہیں؟" ان کا جواب تھا" کبھی نہیں۔" "لیکن ان نئے شعبوں میں جو آپ نے متعارف کروائے، آپ کو کئی نئی ایجادات کی ضرورت پیش آئی ہو گی۔" بے شک، ہم نے ہزاروں ڈالر خرچ کر کے پیٹنٹ خریدے۔" دوسرا جواب تھا۔" یہ مختصر گفتگو، میری رائے میں، ان صنعتی منصوبوں کی اصل حقیقت بیان کرتی ہے جنہیں "انفرادی کوششوں کے معقول معاوضے" کے حامی بطور ماڈل پیش کرتے ہیں۔۔۔ اور جو (معاوضے) کروڑوں کی شکل میں خوشحال صنعتوں کے مینجروں پر نچھاور کرتے ہیں۔ اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوشش کس حد تک انفرادی ہو سکتی ہے۔ ان ہزاروں عوامل کو نظر انداز کرتے ہوئے جو کبھی فرد کے لیے موزوں اور کبھی اس کے لیے رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکے؛ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ وہی صلاحیتیں کیا وہی نتائج پیدا کر سکتی ہیں؛ اگر وہی آجر، قابل اعتماد منیجر اور ہنر مند مزدور نہ ڈھونڈ سکے اور اگر سینکڑوں ایجادات کو اس ملک کے باسیوں کی مکینیکل ذہنیت سے تحریک نہ مل سکے؟

یقیناً ہم لوہے کے صنعت کار کی تخلیقی اور تنظیمی صلاحیتوں کی داد دے سکتے ہیں، مگر یہ تسلیم کرنا لازم ہے کہ اس کی تمام ذہانت اور توانائی کا عشرِ عشیر بھی عملی شکل اختیار نہ کر پاتا، اگر اسے برطانوی کارکنوں، ماہر ہنر مندوں اور قابل اعتماد منتظمین کی بجائے منگولیائی چرواہوں یا سائبیرین دہقانوں سے واسطہ پڑتا۔ ایک انگریز صنعتکار، جو گھریلو صنعت کے ایک شعبے کو غیر معمولی طور پر فعال کرنے میں کامیاب ہوا، سے حال ہی میں پوچھا گیا کہ اس کامیابی کے بنیادی اسباب کیا تھے؟ اس نے جواب دیا: "میں نے ہمیشہ متعلقہ شعبے کے لیے موزوں ترین آدمی کا انتخاب کیا اور اسے مکمل آزادی دی——البتہ عمومی نگرانی ضرور برقرار رکھی۔" سوال کیا گیا: "کیا آپ کبھی ایسے موزوں فرد کو تلاش کرنے میں ناکام ہوئے؟" انہوں نے بلا تامل جواب دیا: "کبھی نہیں۔" پوچھا گیا: "اور ان نئے شعبوں میں جو آپ نے قائم کیے، کیا آپ کو کئی نئی ایجادات کی ضرورت پیش نہیں آئی؟" تو انہوں نے کہا: "یقیناً، ہم نے ہزاروں ڈالر خرچ کر کے پیٹنٹ خریدے۔" یہ مختصر گفتگو، میری نظر میں، اُن صنعتی منصوبوں کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے جنہیں "انفرادی کوششوں کے معقول معاوضے" کے حامی بطورِ نمونہ پیش کرتے ہیں——اور جن کے معاوضے خوشحال صنعتوں کے مینیجروں پر کروڑوں کی صورت میں نچھاور کیے جاتے ہیں۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ کسی کوشش کس حد تک انفرادی ہو سکتی ہے۔ ہزاروں ایسے عوامل کو نظر انداز کرتے ہوئے——جو کبھی کسی فرد کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں اور کبھی اس کی صلاحیتوں کے اظہار میں رکاوٹ بنتے ہیں——یہ سوال بجا ہے: کیا وہی صلاحیتیں وہی نتائج پیدا کر سکتیں، اگر وہی آجر قابل اعتماد منیجر اور ہنر مند مزدور فراہم نہ کر پاتا؟ اور کیا وہ کامیابی ممکن تھی، اگر سینکڑوں ایجادات کو اُس ملک کے باسیوں کی فطری مکینیکل ذہنیت سے تحریک نہ ملتی؟

اجتماعیت پسندوں کے برعکس، انارکسٹ اس خیال کے قائل نہیں کہ فرد کی اجرت، پیداوار میں صرف کیے گئے کام کے گھنٹوں یا محنت کی پیمائش کے تناسب سے مقرر ہو، تو یہ کسی مثالی اجرت کا درجہ پا سکتی ہے یا کسی آئیڈیل معاشرے تک پہنچنے کا معتبر وسیلہ بن سکتی ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ آیا ہر شے کی تبادلے کی قیمت واقعی اس میں صرف ہونے والی محنت کے حساب سے طے ہوتی ہے یا نہیں—جو بہر حال ایک الگ مطالعے کا متقاضی موضوع ہے—ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ اجتماعیت پسندوں کا یہ نظریہ اُس معاشرے میں ناقابل عمل دکھائی دیتا ہے جو ذرائع پیداوار کو مشترکہ ملکیت کے طور پر تسلیم کر چکا ہو۔ ایسے معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ اجرتی نظام کو کلی طور پر ترک کر دیا جائے۔ اجتماعیت پسند مکتبِ فکر کی یہ نیم انفرادیت پسندی، نیم کمیونزم کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتی، اگر اس سے مراد زمین اور مشینری کو مشترکہ ملکیت میں رکھنا ہو۔ اور اگر اسے نافذ بھی کیا جائے، تو یہ محض ایک ایسی طاقتور حکومت کے بل بوتے پر ممکن ہوگا جو عصرِ حاضر کی تمام حکومتوں سے بھی کہیں زیادہ جابرانہ اور مقتدر ہو۔ معاوضے کا موجودہ نظام اس تاریخی عمل کا نتیجہ ہے جس نے ذرائع پیداوار کو چند ہاتھوں میں مرکوز کر دیا—یہی ارتکاز سرمایہ دارانہ نظام کی نشوونما کے لیے بنیادی شرط تھا—تاہم اب یہ نظام مزید آگے اس کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ چاہے کارکن کو اس کی پیداوار کی مکمل قیمت کے مساوی معاوضہ دے دیا جائے، یا محنت کے اوقات کی تلافی نقد رقم سے کر دی جائے، ایک حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے: ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ پیداوار کے ثمرات سے بھی سب لوگ مساوی طور پر مستفید ہوں۔ مزید یہ کہ، مساوات پر مبنی معاشرے کی تشکیل اور اس کی تنظیم اسی وقت ممکن ہے جب اجرتی نظام یکسر ختم کر دیا جائے، اور ہر فرد اپنی صلاحیتوں کے مطابق مشترکہ بھلائی کے لیے بھرپور محنت کرے، اور بدلے میں، معاشرے کی ساجھی دولت سے اپنی ضروریات کی تکمیل اور آسائش کے لیے بھرپور حصہ پا سکے۔

مزید برآں، ہمارا یقین ہے کہ کمیونزم صرف ایک خوشگوار منزل کا خواب نہیں، بلکہ جدید معاشرت کا بڑھتا ہوا رجحان بھی اسی سمت اشارہ کر رہا ہے—ایک آزاد کمیونزم کی سمت۔ یہ رجحان اس حقیقت کے باوجود قائم ہے کہ بظاہر انفرادیت پسندی کے متضاد میلان میں اضافہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر اس انفرادیت کی ترقی کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے—خصوصاً گزشتہ تین صدیوں کے دوران—تو اس میں نمایاں طور پر وہ کوششیں دکھائی دیتی ہیں جو فرد نے سرمایہ اور ریاست کی مسلسل بڑھتی ہوئی یلغار سے آزادی پانے کے لیے کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، ہم تاریخ کے ہر دور میں—حتیٰ کہ اپنے عہد تک—سرمایہ دار طبقے کی وہ خفیہ کاوشیں بھی دیکھ سکتے ہیں جن کا مقصد پرانے زمانوں کے جزوی کمیونزم کو کسی نہ کسی صورت برقرار رکھنا تھا، اور جیسے ہی حالات موافق ہوئے، کمیونسٹ اصولوں کو نئے سانچے میں ڈھال کر دوبارہ رائج کر دینا تھا۔ دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدی کے کمیون جب اپنی آزادانہ حیات کا آغاز کرتے ہیں تو وہ مشترکہ محنت، مشترکہ تجارت اور جزوی مشترکہ تصرف کو نمایاں طور پر فروغ دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ صورتِ حال اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے، لیکن دیہی کمیون اپنی پرانی خصوصیات کو زندہ رکھنے کے لیے آج بھی شدید جدوجہد کر رہے ہیں۔ مشرقی یورپ، سوئٹزرلینڈ، اور حتیٰ کہ فرانس اور جرمنی کے کئی خطوں میں یہ خصوصیات کسی نہ کسی صورت برقرار ہیں، اور انہی اصولوں پر قائم دیگر تنظیمیں بھی، جب موقع پاتی ہیں، تو دوبارہ اپنا وجود منوانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اس صدی کے دوران تجارت نے غیر معمولی ترقی کی، جس کے اثر سے عوامی ذہن میں خود غرضی اور انا پرستی کے رجحانات کو تقویت ملی؛ تاہم، اس کے باوجود کمیونسٹ رجحانات مسلسل اپنا وجود منوا رہے ہیں اور عوامی زندگی میں اپنی جگہ مستحکم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ عوامی پل کے مقابلے میں فیس والا پل پسپا ہو رہا ہے، اور ٹال ٹیکس والی شاہراہ، مفت گزرگاہ کے سامنے مٹتی جا رہی ہے۔ یہی صورتِ حال ہزاروں دیگر اداروں میں کارفرما ہے: مفت عجائب گھر، عام لائبریریاں، پبلک اسکول، باغات اور تفریح گاہیں، ہموار راستے اور روشنی سے آراستہ گلیاں، گھروں کے لیے بلا معاوضہ پانی کی فراہمی—یہ سب ایسی سہولتیں ہیں جو اس امر کو بالکل نظر انداز کرتی ہیں کہ کوئی فرد کتنا استفادہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، ٹرام اور ریلوے پہلے ہی یکساں کرایہ اور سیزنل ٹکٹوں کا نظام متعارف کرا چکی ہیں، اور جب یہ ادارے نجی ملکیت سے نکل جائیں گے، تو اس سمت میں مزید بہتری یقینی ہے۔۔ یہ سب اس بات کے سگنل ہیں کہ مزید ترقی کس سمت میں متوقع ہے۔

یہ اس سمت میں ہے کہ ایک فرد کی ضروریات کی قدر و قیمت، اس کی طرف سے سماج کو دی گئی یا دی جانے والی خدمات سے بالاتر ہوتی ہے؛ معاشرے کو ایک ایسا کل تصور کرتے ہوئے جو پیچیدگی اور قربت سے آپس میں یوں مربوط ہے کہ فردِ واحد کو مہیا کی جانے والی خدمات، حقیقت میں پورے معاشرے کی خدمت ہوتی ہے۔ برٹش میوزیم کا لائبریرین قاری سے یہ سوال نہیں پوچھتا کہ اِس سے پہلے معاشرے کے لیے اس نے کیا کچھ کیا ہے۔ وہ اسے صرف اُس کی ضرورت کے مطابق کتابیں فراہم کرتا ہے اور ایک مساوی فیس کے بدلے ایک سائنٹیفک سوسائٹی اپنے باغات اور میوزیم ہر ممبر کو مہیا کر دیتی ہے۔ زندگی بچانے والی ایک کشتی کا عملہ یہ نہیں پوچھتا کہ کیا کشتی کے مصیبت زدہ افراد اس بات کے مستحق ہیں کہ اپنی زندگی کی قیمت پر ان کو بچایا جائے۔ قیدیوں کو امداد دینے والی سوسائٹی یہ سوال نہیں کرتی کہ رہائی پانے والے فرد کی اہمیت و مرتبہ کیا ہے۔ اس وقت انسانوں کو خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ہم نفس ہوتے ہیں اور بس۔۔ مزید کسی حوالے کی ضرورت نہیں۔

یہی شہر، جو آج ہمیں خود غرض اور بے اعتنا نظر آتا ہے، اگر کسی عوامی آفت سے دوچار ہو جائے—جیسا کہ 1871 میں پیرس کے محاصرے کے دوران ہوا، جب شہر کو شدید قلتِ خوراک کا سامنا کرنا پڑا—تو یہی لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں گے کہ سب سے پہلے بچوں اور بوڑھوں کی ضروریات پوری کی جائیں، خواہ انہوں نے معاشرے کے لیے کوئی خدمات انجام دی ہوں یا نہیں۔ اسی طرح، یہ شہر اپنے محافظوں کی بھی دیکھ بھال کرے گا، چاہے ان میں سے ہر ایک نے بہادری کے کس درجے کا مظاہرہ کیا ہو۔ میری رائے میں—اور شاید ہی کوئی اس سے انکار کرے—یہ رجحان پہلے سے موجود ہے اور جوں جوں انسانیت جان لیوا جدوجہد سے آزادی حاصل کرتی جائے گی، اسی تناسب سے یہ رجحان مزید مضبوط اور راسخ ہوتا چلا جائے گا۔ اگر ہماری پیداواری قوتیں زندگی کی بنیادی ضروریات میں وسعت پیدا کرنے پر صرف ہوتیں؛ اگر ملکیت کے موجودہ اصولوں میں ایسی تبدیلی آتی کہ دولت پیدا کرنے والوں میں وہ کثیر تعداد بھی شامل ہوتی جو اس وقت بیکار ہے؛ اور اگر دستی محنت کو معاشرے میں اس کا صحیح اور معزز مقام واپس مل جاتا—تو وہ کمیونسٹ رجحانات، جو پہلے ہی ہمارے درمیان موجود ہیں، فوراً اپنی وسعت اور اثر میں کئی گنا بڑھ جاتے۔

ان سب باتوں کے پیش نظر، اور مزید براں اس سوال کا عملی پہلو کہ نجی جائیداد کس طرح سے مشترک جائیداد کی شکل اختیار کر سکتی ہے، زیادہ تر انارکسٹ مصر ہیں کہ جونہی جائیداد کا موجودہ نظام تبدیلی کے مراحل سے گزرے، سماج کا اگلا قدم کمیونزم کی سمت میں ہوگا۔ ہم کمیونسٹ ہیں۔ مگر ہمارا کمیونزم حاکمیت پسندوں سے جدا ہے۔ یہ انارکسٹ کمیونزم ہے، بغیر حکومت کے کمیونزم یعنی آزاد کمیونزم۔ یہ دو رجحانات۔۔ سیاسی اور معاشی آزادی کا ادغام، ابتدا تاریخ سے ہی انسانیت جنہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتی آ رہی ہے۔

. میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ انارکیت سے مراد ایک ایسا نظام ہے جو حکومت کے بغیر قائم ہو۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ عام زبان میں لفظ "انارکی" کو انتشار یا افراتفری کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم، اگر اس لفظ کے ماخذ کو دیکھا جائے تو یہ مفہوم دو بنیادی مفروضوں پر دلالت کرتا ہے: اوّل یہ کہ جہاں حکومت نہیں ہوتی وہاں لازماً انتشار پایا جاتا ہے، اور دوم یہ کہ ایک مضبوط حکومت اور سخت گیر پولیس کے ذریعے قائم کیا جانے والا نظم ہمیشہ مفید اور سود مند ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں مفروضے کبھی ثابت نہیں کیے جا سکے۔ زندگی کے بے شمار شعبے ایسے ہیں جہاں حکومت اپنی صوابدید سے مداخلت نہیں کرتی، اور وہاں ہمیں بسا اوقات زیادہ ہم آہنگی اور بہتر نظم دیکھنے کو ملتا

ہے۔ جہاں تک نظم وضبط کے فائدے کا تعلق ہے، نیپلز میں بر بنز کے دور کا "نظم" ہر گز اس نیم خلفشار سے بہتر نہ تھا جو گیر بالدی نے پیدا کیا۔ اسی طرح، اس ملک کے پروٹسٹنٹ شاید یہ کہیں گے کہ لوتھر کے پیدا کردہ انتشار کو وہ پوپ کے دور کے "نظم" پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ ہم آہنگی ہمیشہ پسندیدہ ہے، تاہم "نظم" کے بارے میں—— خصوصاً ہمارے جدید معاشروں میں رائج موجودہ نظم کے بارے میں—— یکساں رائے نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا، لفظ "انارکی" کا جو بھی استعمال ہو، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، بشرطیکہ اس سے مراد اس مخصوص "نظم" کی نفی ہو جو بیان کیا جاتا ہے۔

اپنے کلیدی حرف "انارکی" کو لاحکومتی کے معنوں میں استعمال کرتے ہوئے، ہم انسانی تاریخ کا ایک نمایاں رجحان بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ میں خاص کر ہم ان ادوار کا مشاہدہ کرتے ہیں جب انسانیت کے ایک چھوٹے سے حصے نے اپنے حکمرانوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا اور اپنی آزادی کو دوبارہ یقینی بنانے میں کامیاب ہوئے۔ وہ معاشی اور ذہنی لحاظ سے ترقی کے عظیم ترین دور تھے، چاہے وہ آزاد شہروں کی نشوونما ہو، جن کی بے مثال یادگاریں۔۔ آزاد کارکنوں کی آزاد انجمنوں کی آزادانہ محنت۔۔ آج بھی ذہنی بیداری اور شہری خوشحالی کی گواہی دیتی ہیں۔ خواہ یہ وہ عظیم دور ہو جس نے اصلاح پسندی کو جنم دیا۔۔ وہ ادوار جس میں لوگوں نے اپنی آزادی کا کچھ حصہ واپس حاصل کر لیا، ان ادوار میں عظیم ترین ترقی بھی دیکھی گئی۔ اگر ہم مہذب قوموں کی موجودہ ترقی کا بہ نظر غائر جائزہ لیں تو اس میں ایک واضح اور مسلسل ترقی پذیر تحریک دیکھنے میں لازماً کامیاب ہو جائیں گے جو حکومت کی عملداری کو زیادہ سے زیادہ محدود کر رہی ہے تاکہ فرد اپنی خود اختیاری کے لیے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کر سکے۔ ہر طرح کی حکومتیں آزمانے اور حکومت کی احتیاج کا لاینحل مسئلہ حل کرنے کی جدوجہد کے بعد کہ ایک ایسی حکومت ہونی چاہیے جو فرد کو اطاعت پر مجبور کر سکے مگر خود اجتماعیت کی اطاعت سے راہ فرار اختیار نہ کرے۔۔۔ بالاخر انسانیت اب خود کو کسی طرح کی بھی حکومت کے چنگل سے آزاد رکھنے کی طرف بڑھ رہی ہے، اپنی تنظیمی ترجیہات کو ان افراد کے درمیان آزادانہ مفاہمت کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو ایک ہی مشترک مقصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اپنے کلیدی لفظ **"انارکی"** کو لاحکومتی کے معنوں میں برتتے ہوئے، ہم انسانی تاریخ کے ایک نہایت نمایاں رجحان کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں ایسے ادوار کثرت سے ملتے ہیں، جب انسانیت کے ایک چھوٹے مگر جری حصے نے اپنے حکمرانوں کی قوت کو پاش پاش کر ڈالا اور اپنی آزادی کو از سرِ نو مستحکم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ یہ وہ زمانے تھے جو معاشی و ذہنی ترقی اپنے عروج پر تھی—— چاہے وہ آزاد شہروں کی نشوونما ہو، جن کی بے مثال یادگاریں۔۔ آزاد کارکنوں کی آزاد انجمنوں کی آزادانہ محنت۔۔ آج بھی ذہنی بیداری اور شہری خوشحالی کی گواہی دیتی ہیں ہیں؛ خواہ وہ عظیم دور جس نے اصلاح پسندی کی شمع فروزاں کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی لوگوں نے اپنی آزادی کا کوئی حصہ واپس حاصل کیا، وہی عہد ان کی عظیم ترین ترقی کا مظہر ٹھہرا۔ اگر ہم مہذب اقوام کی موجودہ حالت کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیں تو ہمیں لازماً ایک واضح اور مسلسل ارتقائی تحریک دکھائی دے گی—— ایسی تحریک جو حکومت کے دائرۂ عمل کو بتدریج محدود کر رہی ہے، تاکہ فرد کو اپنی خود اختیاری کے لیے زیادہ سے زیادہ آزادی نصیب ہو۔ ہر طرح کی حکومتیں آزمانے اور حکومت کی احتیاج کا لاینحل مسئلہ حل کرنے کی جدوجہد کے بعد کہ ایک ایسی حکومت ہونی چاہیے جو فرد کو اطاعت پر مجبور کر سکے مگر خود اجتماعیت کی اطاعت سے راہ فرار اختیار نہ کرے۔۔۔ بالاخر انسانیت اب خود کو کسی طرح کی بھی حکومت کے چنگل سے آزاد رکھنے کی طرف بڑھ رہی ہے، اپنی تنظیمی ترجیہات کو ان افراد کے درمیان آزادانہ مفاہمت کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو یکساں مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

خود مختاری، خواہ ایک چھوٹے سے علاقائی گروہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو، بتدریج ایک ناگزیر ضرورت بنتی جا رہی ہے۔ آزادانہ معاہدے قانون کا قائم مقام ہو رہے ہیں، اور رضاکارانہ تعاون حکومتی سرپرستی کی جگہ لے رہا ہے۔ وہ تمام سرگرمیاں جو گزشتہ دو صدیوں میں حکومت کے وظائف میں شامل رہی ہیں، اب ایک ایک کر کے سوالیہ نشان کے تحت آ رہی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، جس قدر کسی معاشرے پر حکمرانی کم ہو گی، اسی قدر اس کی فعالیت اور توانائی میں اضافہ ہو گا۔ جتنا زیادہ ہم اس رجحان کا مطالعہ کرتے ہیں، اور جتنا زیادہ ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ حکومتیں اپنی توقعات پر پورا نہیں اتر رہیں، اتنا ہی ہم اس نتیجے پر پہنچنے کے قریب ہو جاتے ہیں کہ انسان، حکومتی دائرۂ کار کو محدود کرتے کرتے، بالآخر اسے صفر کے برابر کرنے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یوں ہم پیشگی اس معاشرے کی تصویر کھینچ سکتے ہیں جہاں افراد کی آزادی کو نہ کوئی قانون، نہ کوئی بیرونی جبر محدود کر سکے گا—— سوائے اُن سماجی عادات اور اس فطری تقاضے کے، جس کے تحت ہر شخص اپنے ہمسایوں کے ساتھ تعاون، اعانت اور ہمدردی کا رشتہ قائم رکھتا ہے۔

یقیناً عدم حکومت کے اخلاقی جواز کو اُسی قدر اعتراضات کا سامنا کرنا پڑے گا جس قدر سرمایہ داری کے بغیر معاشی نظام کو کرنا پڑتا ہے۔

حکومت کے "فائدہ مند" کردار کے بارے میں ہمارے اذہان میں ایسے گہرے تعصبات راسخ کر دیے گئے ہیں کہ انارکسٹ تصورات کو بدگمانی کے بغیر قبول کرنا گویا ہماری فطرتِ ثانیہ کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ ہماری پوری تربیت—— بچپن سے لے کر قبر تک—— حکومت کی ضرورت اور اس کے ثمرات پر یقین کی آبیاری کرتی رہتی ہے۔ فلسفیانہ نظام اس نظریے کی تشریح و توضیح میں لگے ہیں؛ تاریخ اسی زاویے سے مرتب کی گئی ہے؛ قانون کے تصورات اسی مقصد کے لیے پھیلائے اور پڑھائے گئے ہیں؛ اور پوری سیاست اسی ایک عقیدے پر قائم ہے۔ ہر سیاست دان ہمیں یہی باور کراتا نظر آتا ہے: "مجھے حکومتی طاقت دو، میں تمہیں زندگی کی موجودہ مشکلات سے نجات دلاؤں گا، اور دلوا کر رہوں گا!" ہماری تمام تعلیم اسی اصول سے لبریز ہے۔ سوشیالوجی، تاریخ، قانون یا اخلاقیات—— کسی بھی موضوع کی کتاب کھول کر دیکھ لیجیے، ہر جگہ حکومت، اس کی تنظیم اور اس کے کارنامے اس قدر نمایاں ملیں گے کہ ہم بچپن سے یہ یقین کرتے ہوئے بڑے ہوتے ہیں کہ ریاست اور "سیاسی آدمی" ہی سب سے اعلیٰ درجے کے مستحق ہیں، اور بڑے سیاست دانوں کے پیچھے کوئی اور حقیقت نہیں یہی تاثر روزانہ پریس میں بھی دہرایا جاتا ہے۔ پورے کے پورے کالم سیاسی شخصیات کی سرگرمیوں اور پارلیمانی مباحثوں کی باریک ترین تفصیلات سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان تحریروں کے مطالعے میں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ان چند افراد کے سوا—— جن کی اہمیت اس حد تک بڑھا دی گئی ہے کہ انسانیت گویا ان کے سائے میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے—— دنیا میں ایک بے پناہ ہجوم بھی ہے: لوگ جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں، خوشی اور غم کے بیچ اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں، محنت کر رہے ہیں، خرچ کر رہے ہیں، سوچ اور تخلیق کی مشقت میں مصروف ہیں۔ ایک پوری دنیا جو سیاست کے ہنگاموں سے باہر بھی سانس لے رہی ہے اور زندہ ہے۔

اور جب ہم چھپی ہوئی تحریری دنیا سے نکل کر عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، اور معاشرے کو ایک وسیع اور غیر جانبدار نظر سے دیکھتے ہیں جیسا کہ وہ فی الواقع ہے، تو یہ حقیقت ہمیں حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ ہماری زندگیوں میں حکومت کا کردار کس قدر معمولی ہے۔ لاکھوں انسان ایسے ہیں جو حکومت سے کسی قسم کا براہِ راست تعلق رکھے بغیر زندگی بسر کرتے ہیں اور خاموشی سے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ روزانہ کروڑوں کی رقوم کا لین دین، حکومت کی ذرا سی بھی مداخلت کے بغیر، انجام پاتا ہے—— اور ان معاہدوں کے فریقین کو عموماً انہیں توڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ، وہ معاہدے جنہیں حکومتی تحفظ حاصل نہیں ہوتا (جیسے کہ تبادلے یا نجی قرضے)، اکثر اوقات کسی بھی سرکاری تحویل والے معاہدے سے زیادہ دیانت داری سے نبھائے جاتے ہیں۔ معاہدے پر قائم رہنے کی سادہ عادت، اور اپنی ساکھ قائم رکھنے کی فطری خواہش—— یہی بڑی تعداد میں معاہدوں کی پاسداری کے لیے کافی محرک ہیں۔ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حکومت ہر حال میں کسی نہ کسی صورت موجود رہتی ہے اور بوقتِ ضرورت معاہدوں پر عمل کروا سکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے شمار معاملات عدالتوں تک پہنچتے ہی نہیں، اور تجارت سے معمولی سا تعلق رکھنے والا شخص بھی اس بات کی گواہی دے گا کہ اگر ذاتی وقار اور اعتماد معاہدوں کی پاسداری میں بنیادی عنصر نہ ہو تو کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ وہ تاجر اور صنعت کار جو اپنے گاہکوں کو

ہر قسم کے مضر یا زہریلے مال سے دھوکہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتے، وہ بھی اپنے کاروباری معاہدوں کی پاسداری میں سنجیدہ رہتے ہیں۔ اگر ''کاروباری دیانت'' کی یہ اضافی اخلاقیات اس ماحول میں بھی برقرار رہتی ہے جہاں دولت کمانا سب سے بڑا محرک ہو، تو جس دن کسی کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کرنا ہماری معیشت کا معمول نہ رہے گا، یہی اخلاقی احساس اور بھی تیزی سے پروان چڑھے گا۔

اس صدی کا ایک اور نمایاں پہلو بھی ہمیں اسی نوع کی لاحکومتی کے حق میں قائل کرتا ہے، اور وہ ہے نجی شعبے کی سرگرمیوں کا بتدریج پھیلاؤ اور آزادانہ معاہدوں کے نتیجے میں عظیم صنعتی تنظیموں کا قیام۔ یورپ میں ریل کا جال، جو متعدد الگ الگ انجمنوں کی ایک کنفیڈریشن پر مشتمل ہے، اور ان بے شمار پٹریوں کے ذریعے مسافروں اور تجارت کا تبادلہ، جن کی تعمیر آزادانہ بنیادوں پر ہوئی اور جو بغیر کسی یورپی ریلوے کے مرکزی بورڈ کے منظم ہوئیں، اس بات کی ایک شاندار مثال ہے کہ محض باہمی معاہدوں کے ذریعے کیا کچھ ممکن ہے۔ اگر پچاس برس قبل کوئی شخص یہ پیش گوئی کرتا کہ مختلف کمپنیوں پر مشتمل ریلوے نیٹ ورک مستقبل میں اس حد تک مکمل اور مربوط ہو جائے گا، تو اسے حماقت پر مبنی خیال قرار دیا جاتا، اور اصرار کیا جاتا کہ بے شمار کمپنیاں اپنے مفادات کی بنا پر اس وقت تک یکجا نہیں ہو سکتیں جب تک کوئی بین الاقوامی بورڈ تشکیل نہ دیا جائے جسے یورپی ریاستوں کے عالمی معاہدے کی پشت پناہی اور حکومتی اختیار حاصل ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی بورڈ کبھی وجود میں نہ آیا، اور اس کے باوجود معاہدے بخوبی طے پا گئے۔ اسی طرح، ہالینڈ کے جہاز رانی اور کشتی مالکان کے اتحاد آج جرمن نہروں اور حتیٰ کہ بحیرہ بالٹک کی بحری تجارت کو بھی اپنی تنظیموں کے انتظام میں لا چکے ہیں۔ فرانس کی بے شمار مشترکہ فیکٹریوں کی انجمنیں اور سینڈیکیٹس بھی اس طرز کی روشن مثالیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان میں سے بعض تنظیمیں استحصالی کردار رکھتی ہیں، مگر اس سے اصل نکتہ کمزور نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر لوگ اپنے محض ذاتی، اور اکثر انا پرست، مفادات کے تحت ایک دوسرے سے تعاون پر آمادہ ہو سکتے ہیں، تو بھلی نیت والے لوگ جنہیں دوسرے گروہوں کے ساتھ گہرے اور دیرپا تعلقات استوار کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، لازماً زیادہ آسانی اور بہتر طریقے سے باہمی اتفاق تک پہنچ سکیں گے۔

اعلیٰ مقاصد کے لیے وجود میں آنے والی آزاد تنظیموں کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ہماری صدی کی سب سے نمایاں کامیابیوں میں سے ایک بلاشبہ **لائف بوٹ ایسوسی ایشن** کا قیام ہے، جو اپنی ابتدائی اور نہایت معمولی شروعات سے لے کر اب تک بتیس ہزار انسانی زندگیاں بچا چکی ہے۔ یہ ادارہ انسان کی مہذب اور شائستہ ترین جبلتوں کو بیدار کرتا ہے، اور اس کی ساری سرگرمیاں خالصتاً اجتماعی فلاح کے لیے وقف ہیں۔ اس کی اندرونی تنظیم کی بنیاد مقامی کمیٹیوں کی مکمل آزادی پر قائم ہے۔ ہسپتالوں کی انجمنیں اور اس نوعیت کی سینکڑوں بڑی تنظیمیں، جو وسیع پیمانے پر سرگرم عمل ہیں اور ہر ایک اپنے مخصوص دائرے میں کام کر رہی ہے، اسی زمرے میں آتی ہیں۔ ہم سب حکومت اور اس کے وسیع اختیارات سے تو بخوبی واقف ہیں، لیکن آزادانہ باہمی تعاون کے نتیجے میں انجام پانے والے ان عظیم کارناموں سے ہماری واقفیت کتنی ہے؟ حکومتی سرگرمیوں کے ریکارڈ پر ہزاروں جلدیں لکھی جا چکی ہیں؛ معمولی ترین بہتری کو بھی قانون کا کارنامہ بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس کے اچھے اثرات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے، اور برے نتائج پر خاموشی اختیار کر لی گئی ہے۔ مگر وہ کتاب کہاں ہے جو ہمیں یہ بتائے کہ کس طرح آزادانہ تعاون کے جذبے سے سرشار افراد نے، کسی سرکاری حکم یا جبر کے بغیر، انسانیت کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں؟

اسی اثنا میں، ہر روز سینکڑوں انجمنیں تشکیل پا رہی ہیں تاکہ مہذب انسان کی گوناگوں ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ ہمارے پاس ہر نوع کی *مطالعاتی انجمنیں* ہیں — کچھ ایسی جو علومِ قدرت کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہیں، اور کچھ ایسی جو صرف چند مخصوص شعبوں تک محدود ہیں۔ جسمانی ورزش کے لیے انجمنیں، شارٹ ہینڈ نویسی کے لیے، کسی خاص مصنف کے مطالعے کے لیے، کھیلوں اور ہر نوع کی تفریح کے لیے؛ زندگی گزارنے کے فن سے متعلق انجمنیں، اور حتیٰ کہ زندگی برباد کرنے کے جواز میں انجمنیں؛ فلسفیانہ اور صنعتی، فنکارانہ اور خلافِ فن انجمنیں؛ سنجیدہ محنت کے لیے اور محض تفریح کے لیے — الغرض کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں انسان اپنی صلاحیتوں کو برتنے اور کسی مشترک مقصد کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر سرگرم ہونے سے گریز کرتا ہو۔ ہر روز نئی انجمنیں معرضِ وجود میں آتی ہیں، اور ہر سال پرانی انجمنیں بڑے اداروں میں مدغم ہو کر قومی سرحدوں سے ماورا فیڈریشنیں تشکیل دیتی ہیں، اور کسی نہ کسی مشترک کام میں باہمی تعاون سے حصہ لیتی ہیں۔

آزادانہ طور پر نشوونما پانے والی اِن بے شمار انجمنوں کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ مسلسل اُن شعبوں کو اپنے دائرۂ عمل میں شامل کر رہی ہیں، جو ماضی میں ریاست یا میونسپلٹی کا خاصہ سمجھے جاتے تھے۔ جنیوا جھیل کے کنارے واقع ایک سوئس گاؤں میں، ایک معمولی گھرانہ بھی کم از کم ایک درجن مختلف انجمنوں کا رکن ہوتا ہے — ایسی انجمنیں جو اُسے وہ تمام خدمات فراہم کرتی ہیں، جو کسی اور مقام پر میونسپل حکومت کی ذمہ داری شمار ہوتیں۔ آزاد کمیونز پر مشتمل، عارضی یا مستقل مقاصد کے لیے قائم فیڈریشن کا نظام، سوئس زندگی کی بنیادی اساس میں شامل ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے وہ خطے جو اپنی خوشنما سڑکوں، چشمہ نما فواروں، سرسبز انگور کے باغات، محفوظ جنگلات اور شاداب چراگاہوں کے باعث غیر ملکی سیاحوں میں غیر معمولی مقبولیت رکھتے ہیں، دراصل انہی آزاد فیڈریشنوں کی بدولت اپنے حسن و نظام کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان چھوٹی انجمنوں کے علاوہ، جو محدود پیمانے پر ریاست کا متبادل پیش کر رہی ہیں، بڑے پیمانے پر بھی دیگر انجمنیں یہی کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان میں حالیہ زمانے میں وجود میں آنے والی *ریڈ کریسنٹ سوسائٹی* ایک نمایاں مثال ہے۔ حکومتیں اگرچہ میدانِ جنگ میں انسانی جانوں کے بے دریغ ضیاع کو جاری رکھنے کی ذمہ داری بخوشی قبول کرتی ہیں، مگر جب زخمیوں کو طبّی امداد پہنچانے کا مرحلہ آتا ہے تو فوراً اپنی عاجزی و معذوری کا اعتراف کر لیتی ہیں اور یہ کام بڑی حد تک نجی افراد یا انجمنوں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی آدرش پسند شخص پچیس برس قبل یہ دعویٰ کرتا کہ زخمیوں کی دیکھ بھال نجی انجمنوں پر چھوڑ دی جائے، تو اس کے خلاف طنز و تمسخر کا طوفان برپا ہو جاتا — "خطرناک مقامات پر جانے کی جرات کون کرے گا! ہسپتال وہاں تعمیر ہوں گے جہاں ان کی ضرورت نہ ہو گی! قومی رقابتوں کی وجہ سے بے سہارا فوجی دم توڑ دیں گے!" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن 1871 کی جنگ نے ثابت کر دیا کہ وہ پیش گو آخر کس قدر کوتاہ بین تھے، جو انسانی عقل، ایثار اور نیک نیتی پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

درج بالا حقائق — جو بیک وقت متنوع بھی ہیں اور عام بھی — اس قدر ہماری روزمرہ نظر کے سامنے ہیں کہ اکثر ہم انہیں غور کیے بغیر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف کی نہایت نمایاں خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ درج بالا عضویے (اداروں) کی نشوونما ایک بالکل قدرتی عمل کے طور پر ہوئی؛ ان کا پھیلاؤ بھی تیز رفتاری سے ہوا اور نہایت آسانی کے ساتھ یہ ایک منظم اور ہم آہنگ کلّیت کی صورت اختیار کر گئے۔ یہ دراصل مہذب انسان کی گوناگوں اور بیش قیمت ضروریات کا ایک ناگزیر نتیجہ ہیں۔ مزید یہ کہ یہ ادارے ریاستی مداخلت کا اتنا مؤثر اور مہذب متبادل فراہم کرتے ہیں کہ ہمیں ان میں اپنی زندگی کے حقیقی اور ترقی پذیر عوامل کو پہچان لینا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جدید ترقی کا رخ آزاد افراد کی آزادانہ جڑت — اجتماعی شکل میں — کی طرف ہے، اس انداز سے کہ یہ رفتہ رفتہ ان تمام سرگرمیوں کا نعم البدل بن سکیں جو ماضی میں حکومت کے ذمہ تھیں، اور جنہیں وہ اکثر نہایت ناقص انداز میں انجام دیتی رہی ہے۔

جہاں تک پارلیمانی حکمرانی اور نمائندہ حکومت کا تعلق ہے، یہ تیزی سے زوال پذیر ہو رہی ہے۔ چند فلسفی، جو پہلے ہی اس کے نقائص کی نشاندہی کر چکے ہیں، عوام کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو بے نقاب کرنے میں ہچکچاہٹ اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محض چند افراد کا انتخاب کر کے انہیں ہر ممکنہ معاملے پر قانون سازی کا اختیار دینا — جن کے بارے میں وہ اکثر لاعلم ہوتے ہیں — ایک احمقانہ طرزِ عمل ہے۔ رفتہ

رفتہ یہ احساس پختہ ہو رہا ہے کہ اکثریت کی حکمرانی بھی اتنی ہی ناقص ہے جتنی کوئی اور حکمرانی ہو سکتی ہے۔ انسان ان دیرینہ سوالات پر غور و جستجو جاری رکھے ہوئے ہے اور مسائل کے حل کے لیے نئے طریقے تلاش کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر، پوسٹل یونین نے کبھی ایسا بین الاقوامی ڈاک پارلیمنٹ نہیں بنایا جو یونین میں شامل تمام ڈاک اداروں کے لیے قوانین وضع کرے۔ یورپ کی ریلوے کمپنیوں نے بھی کوئی بین الاقوامی ریلوے پارلیمنٹ منتخب نہیں کی جو ٹرینوں کے شیڈول مرتب کرے یا آمدنی کی تقسیم کا فیصلہ کرے۔ اسی طرح، یورپ کی موسمیاتی اور ارضیاتی سوسائٹیاں نہ تو قطبی اسٹیشنوں کے منصوبوں کی تیاری کے لیے اور نہ ہی رنگین ارضیاتی نقشوں کی تقسیم کے لیے کسی پارلیمنٹ کی طرف گئیں۔ انہوں نے اپنے مقاصد معاہدوں کے ذریعے حاصل کیے، پیش رفت بھی انہی معاہدوں سے کی، اور اتفاقِ رائے کے لیے کانفرنسوں کا سہارا لیا۔ جب اپنے نمائندے کانفرنسوں میں بھیجے تو انہیں یہ کھلی اجازت نہیں دی گئی کہ "جو چاہو ووٹ دو—— ہم قبول کر لیں گے۔" اس کے بجائے، متعلقہ موضوعات پر پہلے خود بحث کی گئی، پھر ان معاملات سے بخوبی واقف مندوبین کو بھیجا گیا—— حکمرانوں کو نہیں۔ یہ نمائندے کانفرنس سے قوانین بنا کر واپس نہیں آئے، بلکہ معاہدوں کی تجاویز لے کر لوٹے۔ یہی وہ طریقہ ہے—— دراصل نہایت پرانا اور آزمودہ طریقہ—— جو آج بھی عوامی مفاد کے معاملات سے نمٹنے کے لیے اپنایا جا رہا ہے؛ نہ کہ نمائندہ حکومت کے ذریعے قانون سازی کا پرانا اور ناکام نسخہ۔

نمائندہ حکومت اپنا تاریخی فریضہ انجام دے چکی ہے۔ اس نے شہنشاہیت کو کاری ضرب لگائی اور مباحثوں کے ذریعے عوام میں مسائل کے تئیں بیداری پیدا کی۔ مگر یہ سوچنا کہ مستقبل کے سوشلسٹ معاشرے کی حکمرانی کا نمونہ اسی میں تلاش کیا جا سکتا ہے، ایک سنگین غلطی ہو گی۔ ہر معاشی دور کا اپنا مخصوص سیاسی ڈھانچہ ہوتا ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ ہم موجودہ معاشی زندگی کی بنیاد—— یعنی نجی ملکیت—— کو تو بدل دیں، مگر سیاسی تنظیم کی اساس کو جوں کا توں رہنے دیں۔ حیاتِ اجتماعی کی موجودہ سرگرمیوں سے پہلے ہی یہ واضح ہے کہ آنے والی تبدیلی کس سمت میں ہو گی۔ یہ تبدیلی ریاست کے اختیارات میں اضافے کی جانب نہیں، بلکہ آزاد تنظیم اور باہمی رضامندی پر مبنی آزاد اتحاد کی جانب پیش قدمی ہو گی—— اُن تمام شعبوں میں جو فی الحال ریاست کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں۔

اس کے خلاف ممکنہ اعتراضات کی پیش گوئی آسانی سے کی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ یہ کہا جائے گا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے جو اپنے معاہدوں پر قائم نہیں رہتے۔ ان سے کیسے نبٹا جائے جو کام کی طرف مائل نہیں ہیں؟ ان کے ساتھ کیا کیا جائے جو معاشروں کے تحریری قوانین توڑنے کو ترجیح دیتے ہیں، یا پھر انارکسٹ مفروضے کو مانتے ہوئے، جو زبانی یا غیر تحریری قوانین کو بھی توڑتے ہیں؟ انارکیت ایک اعلیٰ معاشرے کے لیے درست ہو سکتی ہے مگر ہمارے دور کے انسانوں کے لیے درست نہیں ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ معاہدے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک، آزاد معاہدہ—— جو فریقین کے آزادانہ فیصلے اور یکساں دستیاب امکانات کے بیچ آزادانہ انتخاب سے طے پاتا ہے۔ دوسرا، مسلط کردہ معاہدہ—— جو ایک فریق دوسرے پر زبردستی تھوپتا ہے اور دوسرا فریق اسے محض مجبوری کے تحت قبول کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ معاہدہ نہیں، بلکہ ضرورت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ بدقسمتی سے آج کیے جانے والے بیشتر معاہدے اسی دوسری قسم میں آتے ہیں۔ جب ایک محنت کش اپنی محنت کسی مالک کو بیچتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ اس کی پیداوار کا بڑا حصہ بلاجواز آجر کی جیب میں جائے گا، اور یہ سب بغیر اس ضمانت کے کرتا ہے کہ چھ ماہ تک اسے مسلسل روزگار میسر رہے گا—— تو اسے ''آزاد معاہدہ'' کہنا ایک تلخ مذاق ہے۔ جدید معاشی ماہرین چاہیں تو اسے آزاد معاہدہ کہیں، مگر سیاسی معاشیات کے بانی ایڈم اسمتھ اس گمراہ کن تعبیر کے ہرگز قائل نہ تھے۔ جب تک انسانی آبادی کا ایک تہائی حصہ ایسے جبری معاہدوں پر مجبور رہے گا، نہ صرف ان معاہدوں کو نافذ رکھنے بلکہ اس جابرانہ صورتِ حال کو برقرار رکھنے کے لیے طاقت کا سہارا ناگزیر ہو گا—— اور وہ بھی ایک عظیم الشان طاقت۔ تاکہ کہیں محنت کش اپنے وہ وسائل واپس نہ چھین لیں، جو ان کے نزدیک چند افراد نے زبردستی ان سے چھین رکھے ہیں۔ اور پھر ''غیر مہذب'' اقوام کو بھی اس دائرے میں لانے کے لیے اسی طاقت کا مسلسل استعمال ضروری ہو گا۔

لیکن ہم آزادانہ معاہدوں کے نفاذ کے لیے طاقت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ آج تک ہم نے یہ نہیں سنا کہ کسی شخص پر جرمانہ عائد کیا گیا ہو جو کسی لائف بوٹ کے عملے کا حصہ رہ چکا ہو اور کسی خاص موقع پر اُس نے یہ وابستگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔ بالفرض وہ کسی سنگین غلطی کا مرتکب بھی ہوا ہو تو اس کے سارے کامریڈ شاید اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یہی رویہ اختیار کریں گے کہ وہ مستقبل میں اس سے مزید رابطے نہ رکھیں۔ اسی طرح ہم نے کبھی یہ بھی نہیں سنا کہ لغت سازی میں حصہ لینے والے شخص پر کام میں تاخیر کی وجہ سے کوئی جرمانہ عائد کیا گیا ہو، یا سپاہیوں نے گیر بالدی کے رضاکاروں کو میدان جنگ کی طرف زبردستی دھکیلا ہو۔ آزادانہ معاہدوں کو نافذ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بار بار دھرایا جانے والا ایک اعتراض کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک کام نہیں کرے گا جب تک وہ ضرورت کا دباو محسوس نہیں کرتا۔ امریکہ میں غلاموں کی آزادی سے پہلے اور روس میں کسانوں کی آزادی سے پہلے۔۔۔ ہم اس مسئلے پر بہت کچھ سن چکے ہیں اور ہمیں اس کی اصل قدر کا اندازہ لگانے کا موقع ملا ہے۔ لہٰذا ہم ان افراد کو قائل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے جن کو صرف حقائق سے قائل کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک دلیل پیش کرنے والوں کا تعلق ہے تو ان کے علم ہونا چاہیے کہ انسانیت کے ابتدائی مراحل میں اگر کسی حصے کو حقیقی طور پر اس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا، یا پھر کچھ چھوٹی برادریوں یا الگ تھلگ افراد کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے جو مشکلات کے خلاف اپنی جدوجہد کی وجہ سے مایوسی کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، تو مہذب اقوام کی اکثریت کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں کام ایک عادت ہے اور بیکاری ایک مصنوعی نمو ہے۔ یقیناً جب ایک محنت کش ہونے سے مراد یہ ہو کہ کسی کو ساری زندگی روزانہ دس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ محنت کرنا پڑے گی، اور وہ بھی کسی شے کا ایک معمولی سا حصہ بنانے میں۔۔۔ مثلاً سوئی کی نوک اور جب اس کا مطلب یہ ہو کہ محنت کے بدلے ایسی اجرت ملے گی جس سے ایک خاندان شدید تنگ دستی کے حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے، اور جب مراد ایسی صورت حال ہو جس میں فرد ہر وقت نوکری سے برطرفی کے خطرے سے دوچار رہے۔۔۔ ہمارے علم میں ہے کہ صنعتی بحران کتنے عام ہیں اور ان سے کتنی تباہی ہوتی ہے۔۔۔ جب اس کا مطلب یہ ہو کہ ایک بہت بڑی تعداد میں لوگ قبل از وقت کسی غریب خانے یا ورک ہاؤس میں موت کا نوالہ بن جائیں گے،

یہ ایک پرانی اور بار بار دہرائی جانے والی دلیل ہے کہ انسان اُس وقت تک کام نہیں کرے گا جب تک ضرورت کا سخت دباؤ اسے مجبور نہ کرے۔ امریکہ میں غلاموں کی آزادی سے قبل، اور روس میں کسانوں کی آزادی سے پہلے بھی، ہم یہ بات ہزار بار سن چکے ہیں اور اس کی حقیقت کو جانچنے کا پورا موقع پا چکے ہیں۔ اس لیے اُن لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے جو شواہد کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ دلیل دینے والوں کو یہ ضرور سمجھنا چاہیے کہ اگر کبھی انسانیت کے ابتدائی زمانے میں، یا کچھ چھوٹی الگ تھلگ برادریوں اور انفرادی زندگیوں میں—— جہاں شدید غربت نے لوگوں کو مایوسی کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا—— یہ مسئلہ کسی حد تک پیش آیا ہو، تو بھی مہذب اقوام کی عظیم اکثریت کے لیے یہ بات بالکل درست نہیں۔ ہمارے معاشرے میں کام ایک عادت بن چکا ہے، جبکہ بیکاری ایک زبردستی پیدا کی گئی بیماری ہے۔ ذرا اس حقیقت پر غور کیجیے: جب محنت کش ہونے کا مطلب یہ ہو کہ پوری زندگی روزانہ دس دس گھنٹے—— بلکہ اس سے بھی زیادہ—— مشین کی طرح مشقت کرنا پڑے، اور وہ بھی کسی معمولی سے پرزے یا سوئی کی نوک بنانے میں؛ جب اس مشقت کا صلہ ایسی اجرت ہو جس سے ایک خاندان غربت اور تنگ دستی کے شکنجے میں جکڑا رہے؛ جب ہر لمحہ نوکری سے محرومی کا خطرہ منڈلاتا ہو؛ جب صنعتی بحران معمول کی بات بن جائیں اور اپنے ساتھ تباہی کا طوفان لائیں؛ جب محنت کش ہونے کا مطلب ہو کہ ہزاروں لوگ قبل از وقت غربت خانوں یا مشقت خانوں (ورک ہاؤسز) میں سسک سسک کر مر جائیں؛ جب محنت کش ہونے کا مطلب یہ ہو زندگی بھر پیشانی پر ذلت اور کمتری کی مہر ثبت رہے—— اُن لوگوں کے سامنے جو خود انہی کے ہاتھوں

کی پیداوار سے عیش کرتے ہیں؛اور جب اس کا مطلب یہ ہو کہ علم وفن کی بدولت میسر آنے والی اعلیٰ مسرتوں سے ہمیشہ محروم رہناپڑے——تو پھر افسوس، یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ہر شخص——حتیٰ کہ محنت کش بھی——ایک ہی خواب دیکھتا ہے: وہ زندگی جب دوسروں کو اس کے لیے کام کرناپڑے گا۔

انسانی فطرت کے حوالے سے زائد کام (اوورک) سخت ناگوار ہوتا ہے، لبتہ کام ہر گز نہیں ہے، وہ زائد کام جو چند افراد کی عیش وعشرت کے لیے کیا جائے اور وہ نہیں جو سب کی فلاح کے لیے ہو۔ کام ایک جسمانی ضرورت ہے انسانی جسم میں جمع شدہ توانائی صرف کرنے کے لیے۔ کام، ایک ایسی ضرورت جو خود زندگی اور صحت ہے۔ اگر بہت مفید شعبوں میں آج کام نہایت بے دلی سے ہو رہا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ یہ اوورک ہے یا اسے درست طریقے سے منظم نہیں کیا گیا۔ مگر ہمارے علم میں ہے۔۔پرانے فرینکلن کو بھی معلوم تھا۔۔اگر سارے لوگ خود کو پیداواری کام کے لیے وقف کریں اور اپنی پیداواری قوتوں کو اس طرح ضائع نہ کریں جس طرح اب کر رہے ہیں تو روزانہ چار گھنٹے کار آمد کام۔۔سب کو ایک متوسط طبقے کے آرام دہ گھر کا معیارِ زندگی فراہم کرنے کے لیے کافی ہو گا۔

جہاں تک اس بچگانہ سوال کا تعلق ہے جو پچھلے پچاس سالوں سے دہرایا جا رہا ہے کہ "ناخوشگوار کام کون کرے گا"؟۔ بلا تکلف، مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے سائنسدانوں میں سے کسی کو بھی کبھی ایسے کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔۔ بے شک ایساان کی زندگی میں ایک روز کے لیے ہو۔ اگر حقیقت میں ابھی تک ایسا کوئی کام ہے جو ناگوار محسوس ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے ہمارے سائنس دانوں نے ابھی تک انہیں قدرے کم تکلیف دہ بنانے کے طریقوں پر غور نہیں کیا۔ انہیں ہمیشہ معلوم تھا کہ بھوکے لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں جو چند پیسوں کے عوض یہ کام کرنے کے لیے حاضر ہوں گے۔

جہاں تک تیسرے——اور سب سے بنیادی——اعتراض کا تعلق ہے، اور جو معاشرتی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے ایک حکومت کی ضرورت کو برقرار رکھتا ہے، اس موضوع پر کہنے کے لیے اتنا کچھ ہے کہ محض بر سبیل تذکرہ اس کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہم جتنا زیادہ اس سوال کا مطالعہ کرتے ہیں، اتنا ہی ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معاشرے کے اندر ہونے والی سماج دشمن سرگرمیوں کا ذمہ دار بھی معاشرہ ہوتا ہے، اور یہ کہ کوئی سزا، کوئی جیل خانہ یا کوئی جلاد ان سرگرمیوں میں کمی کا باعث نہیں بن سکتا؛ معاشرے کی تشکیل نو کیے بغیر کچھ بھی تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر سال ہمارے عدالتی نظام میں پیش کیے جانے والے تین چوتھائی مقدمات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق، دولت کی پیداوار اور تقسیم کے موجودہ غیر منظم نظام سے ہوتا ہے، نہ کہ انسانی فطرت کی خرابی سے۔ جہاں تک کچھ سماج دشمن سرگرمیوں کا تعلق ہے جو افراد کے سماج دشمن میلان سے جنم لیتی ہیں، انہیں کم کرنے کا راستہ نہ تو قید خانوں سے برامد ہوتا ہے اور نہ ہی پھانسی کے پھندوں سے۔۔ اپنی جیلوں سے ہم نا صرف تعداد دوگنا کر دیتے ہیں بلکہ انہیں مزید تکلیف دہ بھی بنا دیتے ہیں۔۔۔ ہمارے جاسوس، ہمارے خون کی قیمت، ہماری پھانسیاں اور جیلیں، سماج میں گندی اور گھٹیا عادات اور جذبات کا سیلاب لاتی ہیں اور اگر کوئی ان اداروں کے اثرات کو مکمل طور پر سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ یہ جان کر خوفزدہ ہو جائے گا کہ معاشرہ اخلاقیات کے نام پر کیا کارنامے سرانجام دے رہا ہے۔ ہمیں دوسرے حل کی طرف دیکھنا چاہیے۔ وہ حل جن کی طرف ایک طویل مدت سے توجہ مبذول کروائی جا رہی ہے۔

یقیناً آج، جب ایک ماں اپنے بچوں کے لیے چھت اور روٹی کی تلاش میں اُن دکانوں کے سامنے سے گزرتی ہے جو مرغن کھانوں سے لبریز ہیں، جب عیش وعشرت کی نخوت بھری نمائش غربت کے پہلو بہ پہلو جلوہ گر ہو، جب ایک امیر آدمی کے کتّے اور گھوڑے کا خیال لاکھوں اُن بچوں سے بہتر رکھا جاتا ہو جن کی مائیں کانوں یا فیکٹریوں میں حقیر اجرت کے عوض محنت کرتی ہیں، جب ایک عورت کے شام کے سادہ لباس کی قیمت آٹھ ماہ یا ایک سال کی انسانی مشقت کے برابر ہو، جب دوسروں کے خرچ پر دولت کمانا'' اعلیٰ طبقوں ''کا کھلا ہوا نصب العین بن جائے، اور جب جائز وناجائز ذرائع سے پیسہ کمانے کے درمیان کی تمام حدیں مٹ چکی ہوں——تو ایسی صورتِ حال کو برقرار رکھنے کا واحد سہارا طاقت ہی ہو گی؛ پولیس اہلکاروں، ججوں اور جلادوں کی ایک پوری فوج لازمی اداروں کی شکل میں گلی کوچوں میں دندناتی پھرے گی۔

اگر ہمارے تمام بچے۔۔اور سب بچے ہمارے بچے ہیں۔۔ایک ٹھوس تعلیم اور تربیت حاصل کرتے اور ہمارے پاس انہیں تعلیم دینے کے وسائل بھی موجود ہوتے، اور اگر ہر خاندان ایک شائستہ گھر میں قیام پذیر ہو، جو موجودہ پیداوار کی بلند سطح پر ممکن ہے، اور ہر بچے اور بچی کو سائنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سکھایا جاتا، ہاتھوں کی محنت سے کام کرنا احساس کہتری کا ٹھپہ نہ ہوتا، اور انسان ایک دوسرے کے ساتھ وابستگی کی کیفیت میں زندگی گزارتے اور مسلسل ان معاملات پر رابطے میں رہتے جو اب چند لوگوں کی دسترس میں ہیں اور ان میں سب کی شمولیت ہوتی، اور اگر اس قریبی تعلق کے نتیجے میں ہم اپنے پڑوسیوں کی مشکلات اور مصائب میں ویسے ہی دلچسپی لیتے جیسے پہلے اپنے برادریوں کے لوگوں میں لیتے تھے——تو اس صورت میں ہم پولیس، ججوں، قید خانوں اور پھانسیوں کا سہارا نہ لے رہے ہوتے۔۔۔ سماج دشمن اعمال کو جڑ سے ختم کیا جائے گا، سزا نہیں دی جائے گی۔ جو تھوڑے بہت جھگڑے ہوں گے، انہیں ثالثوں کے ذریعے آسانی سے حل کیا جا سکے گا؛ اور ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے اتنی ہی طاقت درکار ہو گی جتنی اب چینی خاندانوں کی عدالتوں کے فیصلے نافذ کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔

یہاں ہمیں ایک بڑے سوال کا سامنا ہے: ایسی معاشرت میں اخلاقیات کا حال کیا ہو گا جو قانون کو تسلیم نہ کرتی ہو اور فرد کی مکمل آزادی کا اعلان بھی کرتی ہو؟ جواب واضح ہے۔ عوامی اخلاقیات قانون اور مذہب سے آزاد یا بالاتر بھی ہے اور ان سے مقدم یا باطن (بنتر) میں بھی موجود ہے۔ ابھی تک، اخلاقیات کی تعلیمات کو مذہبی تعلیمات کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ لیکن مذہبی تعلیمات کا ذہنوں پر جو اثر ورسوخ قائم تھا، حالیہ دور میں وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے، اور ساری پابندیاں جو اخلاقیات مذاہب کی کوکھ سے برآمد کرتی تھی اب پہلے جیسی توانائی نہیں رکھتیں۔ لاکھوں افراد ہمارے شہروں میں ایسے ہیں جو پرانے عقائد سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ کیا یہ اخلاقیات کو نظر انداز کرنے اور اسے ابتدائی کائناتی نظریات کی طرح طنز کا نشانہ بنانے کا جواز بن سکتا ہے؟

یقیناً نہیں۔ کوئی معاشرہ چند اخلاقی اصولوں کے بغیر قائم نہیں نہیں رہ سکتا جن کو عمومی سطح پر تسلیم کیا جا چکا ہو۔ اگر ہر شخص اپنے ساتھی انسانوں کو دھوکہ دینے کا عادی ہو جائے، اگر ہم کبھی ایک دوسرے کے وعدوں اور باتوں پر اعتبار نہ کر سکیں، اگر ہر کوئی اپنے ساتھی کو دشمن سمجھ کر سارے جنگی حربے درست سمجھنے لگے۔۔ تو کوئی بھی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی عقائد کے زوال کے باوجود، اخلاقیات کے اصول غیر متزلزل ہیں۔ یہاں تک کہ غیر مذہبی لوگ بھی اخلاقیات کے موجودہ معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قدیمی "چوچکن" کوئی مذہب نہیں رکھتے وہ صرف اواہم کے مالک ہیں اور قدرت کی قوتوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ تاہم ان کے وہی اخلاقی اصول ہیں جن کی تعلیم یہودی یا مسلمان، عیسائی یا بدھ مت والے دیتے ہیں بلکہ ان کے کچھ افعال۔۔ ہمارے مہذب معاشرے میں پائی جانے والی اخلاقیات سے کہیں زیادہ بلند معیار کی قبائلی اخلاقیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ درحقیقت ہر نیا مذہب اپنے اخلاقی اصول صرف حقیقی اخلاقی مواد سے اخذ کرتا ہے: اخلاقی عادات واطوار جو انسانوں کے درمیان اس وقت تشکیل پاتی ہیں جونہی وہ قبیلوں، شہروں اور اقوام کی شکل میں اکٹھا رہنے کے لیے اجتماع کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ کوئی حیوانی معاشرہ ممکن نہیں ہو سکتا جب تک باہمی امداد کی کچھ اخلاقی عادات کی نشوونما یا تربیت نہ ہو جیسے کہ اجتماعی مقصد کے لیے ذات کی قربانی وغیرہ۔۔ یہ عادات کسی نوع کی جہد البقا میں بہبود کے لیے لازمی ہیں، اور نوع کی بقا میں، افراد کے درمیان جسمانی جدوجہد کے بجائے انفرادی تعاون ایک زیادہ اہم عنصر رہا ہے۔

یقیناً نہیں، کوئی معاشرہ چند ایسے اخلاقی اصولوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا جو عمومی طور پر تسلیم شدہ ہوں۔ اگر ہر شخص اپنے ساتھی انسان کو دھوکہ دینے کا عادی ہو جائے، اگر ہم ایک دوسرے کے وعدوں اور باتوں پر اعتبار نہ کر سکیں، اور اگر ہر کوئی اپنے ہم نوع کو دشمن سمجھ کر تمام جنگی حربوں کو جائز قرار دینے لگے—— تو کوئی معاشرہ باقی نہیں رہ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی عقائد کے زوال کے باوجود اخلاقی اصول بدستور قائم ہیں۔ حتیٰ کہ غیر مذہبی لوگ بھی موجودہ اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ قدیمی "چوچکن" کوئی مذہب نہیں رکھتے، وہ صرف اواہم کے مالک ہیں اور قدرت کی قوتوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ تاہم ان کے وہی اخلاقی اصول ہیں جن کی تعلیم یہودی یا مسلمان، عیسائی یا بدھ مت والے دیتے ہیں بلکہ ان کے کچھ افعال۔۔ ہمارے مہذب معاشرے میں پائی جانے والی اخلاقیات سے کہیں زیادہ بلند معیار کی قبائلی اخلاقیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ درحقیقت ہر نیا مذہب اپنے اخلاقی اصول صرف حقیقی اخلاقی مواد سے اخذ کرتا ہے—— یعنی وہ اخلاقی عادات واطوار جو انسانوں کے درمیان اس وقت جنم لیتی ہیں جب وہ قبیلوں، شہروں اور اقوام کی صورت میں اجتماعی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ کوئی حیوانی معاشرہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک باہمی امداد کی کچھ اخلاقی عادات کی تربیت یا نشوونما نہ ہو، جیسے اجتماعی مقصد کے لیے ذاتی مفاد کی قربانی۔ یہ عادات کسی نوع کی جہد البقا میں بہبود کے لیے لازمی ہیں، اور نوع کی بقا میں، افراد کے درمیان جسمانی جدوجہد کے بجائے انفرادی تعاون ایک زیادہ اہم عنصر رہا ہے۔ حیاتیاتی دنیا میں "فٹ" وہ ہیں جو معاشرتی زندگی میں خود کو ڈھال لیتے ہیں، اور معاشرتی زندگی ناگزیر طور پر چند بنیادی اخلاقی دفعات کی متقاضی ہوتی ہے۔ نوعِ انسان نے اپنی طویل تاریخ کے کے دوران ایک مرکزہ تشکیل دیا ہے جو سماجی واخلاقی عادات پر مشتمل ہے، اور جب تک انسانی معاشرے باقی ہیں، وہ معدوم نہیں ہو سکتا۔ موجودہ معاشی تعلقات سے پیدا ہونے والے اثرات کے باوجود، ہماری اخلاقی عادات کا یہ مرکزہ آج بھی اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔ قانون اور مذہب محض اس کی تشکیل وتدوین کرتے ہیں اور اپنی سند کے بل پر اس کے نفاذ کی کوشش کرتے ہیں۔

اخلاقیات کے نظریات کی اقسام خواہ کچھ بھی ہوں، ان کی درجہ بندی تین طرح سے کی جاسکتی ہے، مذہبی اخلاقیات، افادیت پسندانہ اخلاقیات اور معاشرتی زندگی کی ضروریات سے جنم لینے والا اخلاقی عادات کا نظریہ۔ ہر مذہبی اخلاقیات اپنے نسخوں کو وحی سے ماخوذ قرار دیتے ہوئے انہیں مقدس قرار دیتی ہے اور یہ اپنی تعلیمات کو انعام یا سزا کے وعدے سے۔۔ جو اس دنیا میں یا اگلی دنیا میں ملے گی۔۔ ذہن پر نقش کرنے کی جدوجہد بھی کرتی ہے۔ افادیت پسند اخلاقیات بھی اجر یا ثواب کے تصور کو برقرار رکھتی ہے لیکن یہ اسے انسان میں ہی تلاش کرتی ہے۔ یہ انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنے "لطف" کا تجزیہ کریں، ان کی درجہ بندی کریں اور ان کو ترجیحی جگہ دیں جو سب سے زیادہ شدید اور والے اور دیرپا بھی ہیں۔۔۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ بلاشبہ اس کے کچھ اثرات موجود ہیں لیکن انسانوں کی بڑی تعداد نے اسے مصنوعی قرار دیا ہے۔

اور آخر میں۔۔۔ جو بھی اقسام ہوں——ایک۔ تیسرا اخلاقی نظام یہ دیکھتا ہے کہ اخلاقی اعمال میں——وہ طاقت ور ترین اعمال شامل ہیں جو انسان کو معاشرتی زندگی کے لیے موزوں ترین بنا سکیں——-ایک فرد کی یہ فطری ضرورت کہ وہ اپنے ساتھیوں کی خوشیوں میں اطمینان کا احساس کرے، جب اس کے ساتھی مصیبت میں ہوں تو وہ تکلیف محسوس کرے۔ یہ ایک عادت اور ایک فطرت ثانیہ ہے، جو معاشرتی زندگی کے ذریعے آہستہ آہستہ تشکیل پاتی ہے اور پختگی حاصل کرتی ہے۔ یہی انسانیت کی اخلاقیات ہے، انارکیت کی اخلاقیات بھی یہی ہے۔

انتہائی اختصار میں یہی **انارکسٹ کمیونزم** کے بنیادی رہنما اصول ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اصول کئی راسخ تعصبات کو چیلنج کرتا ہے، مگر ہر اصول انسانی معاشرت کے رجحانات کے تجزیے سے جنم لیتا ہے، اہم نتائج کا حامل ہے، اور مروجہ نقطۂ نظر کے از سرِ نو جائزے کا تقاضا کرتا ہے۔ انارکیت صرف ایک دور افتادہ مستقبل کا تصور نہیں، بلکہ حال کی عملی زندگی سے بھی گہرا تعلق رکھتی ہے۔ آج ہر فرد، اپنے عمل کے دائرے میں، یا تو انارکسٹ اصولوں کے مطابق قدم اٹھا سکتا ہے یا ان کے برعکس۔ جو بھی قدم اس کی سمت میں بڑھایا جائے گا، وہ اسی سمت میں پیش رفت کو ممکن بنائے گا؛ اور اس کے برعکس، جو بھی اقدام اس کے مخالف رخ میں کیا جائے گا، وہ انسانیت کو وہاں دھکیلنے کی کوشش ہوگا جہاں وہ فطری طور پر جانا نہیں چاہتی۔

چوتھا ترجمہ

دنیا کے اختتام پر انارکیت
ایک جبلت کا تعارف جو کبھی معدوم نہیں ہو گی

مصنف: ڈیرن ایلن

تعارفی نوٹ

ڈیرن ایلن عصرِ حاضر کے معروف برطانوی انارکسٹ مفکر، مصنف اور سماجی ناقد ہیں، جن کی تحریریں جدید سرمایہ دارانہ تہذیب، ریاستی جبر، صارفیت اور ماحولیاتی بحران پر گہری اور ہمہ گیر تنقید پیش کرتی ہیں۔ زیرِ نظر تحریر ان کی شہرۂ آفاق کتاب نظام کے تینتیس فسانے سے ماخوذ ہے، جس میں ایلن نے جدید صنعتی تہذیب کی داخلی ساخت، انسانی شعور پر اس کے اثرات اور اس کے ناگزیر بحران کا فلسفیانہ و وجودی تجزیہ پیش کیا ہے۔
ایلن کے نزدیک جدید صنعتی نظام محض سیاسی و معاشی اداروں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر تہذیبی قوت ہے جو انسان کے باطن تک کو اپنی تشکیلِ نو کے عمل میں شامل کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس نظام کی بقا کو صرف جبر یا معاشی طاقت کا نتیجہ نہیں سمجھتے، بلکہ اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جدید تہذیب نے انسان کے اندر ایک ایسا 'جعلی ذات' (False Self) پیدا کر دیا ہے جو اسی نظام کی تخلیق، توسیع اور حفاظت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ انسان کی خواہشات، جذبات، تعلقات اور حتیٰ کہ اس کی خود فہمی بھی بتدریج اسی صنعتی و صارفی منطق کے تابع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں فرد بیگانگی، روحانی خلا اور وجودی انتشار کا شکار ہو کر زندگی کی حقیقی معنویت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔
تاہم ایلن مکمل مایوسیت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک انسان مصنوعی شناخت کے خلاف خاموش مزاحمت جاری رکھتا ہے۔ یہی داخلی کشمکش اس بات کی علامت ہے کہ جدید تہذیب انسانی فطرت کے ساتھ مکمل مطابقت پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ چنانچہ ایلن شعوری بیداری کو مزاحمت کا نقطۂ آغاز قرار دیتے ہیں؛ ایسی بیداری جو انسان کو اس مسلط شدہ مصنوعی زندگی کے رد اور اپنی اصل انسانی معنویت کی بازیافت کی طرف مائل کرتی ہے۔
ایلن کا استدلال یہ بھی ہے کہ جدید صنعتی ادارے انسانی وجود اور فطری توازن کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تہذیب اپنے داخلی تضادات، ماحولیاتی تباہ کاریوں اور روحانی زوال کے باعث بتدریج انہدام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر وہ انارکیت کے اُن نظریات سے قدرے مختلف دکھائی دیتے ہیں جو منظم انقلابی جدوجہد اور واضح سیاسی پروگرام پر زور دیتے ہیں، تاہم ان کی تنقید کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ موجودہ تہذیبی ڈھانچہ انسانی زندگی کی داخلی ہم آہنگی کو شدید نقصان پہنچا چکا ہے۔

اسی تناظر میں ایلن کے افکار بعض پہلوؤں سے 'بدوی انارکیت' (Primitive Anarchism) سے قربت رکھتے ہیں۔ تاہم اس رجحان کو محض ماضی پرستانہ رجعت سمجھنا درست نہیں۔ اس کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں ایسے معاشرتی ادوار بھی موجود رہے ہیں جہاں انسان فطرت، سماج اور اپنی داخلی دنیا کے ساتھ نسبتاً زیادہ ہم آہنگ زندگی بسر کرتا تھا۔ لہٰذا جدید صنعتی تہذیب کو کوئی حتمی یا مطلق سچ تصور کرنے کے بجائے اسے محض ایک تاریخی و تہذیبی مرحلہ سمجھا جانا چاہیے۔
اسی کے ساتھ ایلن کے ہاں 'انفرادیت پسند انارکیت' کی جھلک بھی نمایاں ہے، جو کسی عظیم انقلابی لمحے کے انتظار کے بجائے فرد کی فوری داخلی و اخلاقی مزاحمت پر زور دیتی ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی مزاحمت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے کہ انسان اپنے شعور، تعلقات اور طرزِ زندگی کو اس بیمار تہذیب کے تسلط سے حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کرے، اور اپنے اندر اُس انسانی زندگی کی رمق باقی رکھے جو ابھی تک مشین، منڈی اور اقتدار کے مکمل تصرف میں نہیں آئی۔

مترجم

دنیا کے اختتام پر انارکیت

انارکیت کیا ہے؟-----46
پہلا اعتراض: انارکیت غیر انسانی ہے؟-----47
دوسرا اعتراض: انارکیت انتشار ہے؟-----47
تیسرا اعتراض: انارکیت تشدد ہے؟-----49
چوتھا اعتراض: انارکیت محدود ہے؟-----50
پانچواں اعتراض: انارکیت غیر مہذب ہے؟-----50
چھٹا اعتراض: انارکیت غیر حقیقت پسندانہ ہے؟-----51
ساتواں اعتراض: انارکیت پاگل پن ہے؟----- 53 .
آپ کے پاس انتخاب، انارکیت اور انارکیت کے درمیان ہے۔-----55

انارکیت کیا ہے؟

"انارکیت (لاحاکمیت) ہی زندگی کا وہ واحد اسلوب ہے جو ہمیشہ کار گر رہا ہے اور رہ سکتا ہے۔ دائیں اور بائیں بازو کی سیاست، رجائیت و قنوطیت، یہاں تک کہ عقیدہ پرستی اور دہریت جیسے نام نہاد متبادلات کے مقابلے میں صرف یہی ایک حقیقی متبادل ہے۔ اس حوالے سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ بڑے پیمانے پر—— حتیٰ کہ خود بعض انارکسٹوں کی جانب سے بھی——اسے نظر انداز کیا جاتا رہا، یہ کج فہمی کا شکار رہی اور تضحیک کا نشانہ بنتی رہی ہے۔

انارکیت دراصل 'غلبے' سے مکمل انکار کا نام ہے۔ ایک انارکسٹ معاشرے میں——اور یقیناً ایک انارکسٹ کی اپنی ذات میں بھی——کوئی بھی شخص کسی دوسرے فرد یا شے سے مغلوب نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ سرے سے کوئی 'اتھارٹی' (مقتدرہ) وجود نہیں رکھتی؛ بلکہ انارکیت اس اتھارٹی کو مسترد کرتی ہے جو فرد کو کنٹرول کرنے یا اسے اس کی مرضی کے خلاف مجبور کرنے کا اختیار رکھتی ہو۔

یہاں دو اہم استثنائی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ غلبے سے انکار کے اصول پر قائم رہتے ہوئے بھی، انارکسٹوں کو ان عناصر پر ہر صورت قابو پانا ہوگا جو دوسروں پر غلبہ پانے، انہیں مجبور کرنے یا کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں زانی، قاتل، غنڈہ عناصر اور بالواسطہ غلبہ حاصل کرنے والے چوراچکے شامل ہیں؛ انہیں ایسی سرگرمیوں سے روکنا لازم ہوگا۔

دوسرا استثنیٰ یہ ہے کہ انارکسٹ ان افراد کو (جبر سے) روکنے میں حق بجانب ہیں جو خود اپنے آپ پر اختیار نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر چھوٹے بچوں، نیند میں چلنے والوں، نشے میں دھت افراد یا کسی خطرناک چٹان پر مہم جوئی کرنے والوں کو روکنا 'جبر' کے زمرے میں نہیں آتا۔ ہاں، اگر کوئی شخص اپنے مکمل حواس میں ہو اور پھر بھی چٹان سے کودنے پر اصرار کرے، تو ایک انارکسٹ معاشرہ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔

یہ دو استثنائی صورتیں انارکیت پر کیے جانے والے دو عمومی اعتراضات کے جزوی جوابات بھی ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ ہم چوروں، زانیوں اور قاتلوں سے کیسے محفوظ رہیں گے؟ اور دوسرا یہ کہ مایوس، ذہنی مریض اور نادان افراد خود اپنے آپ سے کیسے محفوظ رہ پائیں گے یا ان کی حفاظت کون کرے گا؟ انارکسٹ عموماً ان کا جواب یوں دیتے ہیں کہ: 'عوام'——ریاست ہر گز نہیں، اور نہ ہی کوئی پیشہ ور مراعات یافتہ طبقہ——بلکہ صرف اور صرف 'ہم'۔ یہ جواب یقیناً تشنہ ہے اور مزید سوالات کو جنم دیتا ہے۔ ان کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے ہمیں ان عوامل کی نشاندہی کرنا ہوگی جو افراد کو ان کی رضا کے بغیر مقید کرتے ہیں؛ وہ عناصر جنہیں ایک مکمل انارکسٹ سماج کی تشکیل کے لیے جڑ سے اکھاڑنا ہوگا۔ میں انہیں 'غلبے کی سات صورتیں' کہتا ہوں۔ اپنی پیچیدگی اور ہمہ گیر وسعت کے اعتبار سے ان کی صعودی ترتیب درج ذیل ہے:

- (مطلق-العنان) بادشاہت
- (سوشل-جمہوری) ریاست جو سرمائے، قانون، جائیداد اور پولیس پر مشتمل ہوتی ہے
- (ہمہ گیر-سرمایہ دار) کارپوریشن
- (ماس) اکثریت
- (پیشہ وارانہ-مذہبی) ادارے
- (ٹیکنوکریٹک) سسٹم
- (ذہنی-جذباتی) انا

خود انارکسٹوں کے لیے بھی یہ شناخت کرنا اکثر مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ تمام قوتیں اپنی اصل میں ہی جبر کی قوتیں ہیں۔ ظاہر ہے، کوئی بھی انارکسٹ مطلق العنانی کی حمایت نہیں کرتا اور بہت کم ایسے ہیں جو بڑی کارپوریشنوں کے غلبے کی تائید کرتے ہوں، لیکن حیرت انگیز طور پر ریاست اور اس کے مختلف اداروں یا طریقوں (جیسے ووٹ دینا، انتخابی مہمات اور ریاستی جنگیں) کی حمایت انارکسٹ حلقوں میں عام دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح جمہوریت پسندی (ٹریڈ یونینزم اور براہِ راست جمہوریت کی دیگر اقسام) اور 'پیشہ ورانہ مہارت' (Professionalism) کا رعب (جس کی مثال نوم چومسکی، ڈیوڈ گریبر اور مرے بوکچن جیسے مفکرین ہیں) بھی ان حلقوں میں سرایت کر چکا ہے۔ نظام اور 'ذات' (Self) کا گٹھ جوڑ اتنا پیچیدہ اور ہمہ گیر ہے کہ اکثر انارکسٹ لٹریچر میں ان کا ذکر تک نہیں ملتا (سوائے چند استثنائی ناموں کے جیسے لاؤتزو، ٹالسٹائی، ولیم بلیک، ہنری ملر اور ایوان ایلچ)۔ مزید یہ کہ انارکسٹ اکثر غلبے کی ان جابرانہ قوتوں کی نہ صرف حمایت کرتے ہیں بلکہ لاشعوری طور پر ان سے سمجھوتہ بھی کر لیتے ہیں۔ تاہم، یہ سمجھوتہ ان کے بنیادی نظریے کو بالکل اسی طرح متاثر نہیں کرتا جیسے سبزی خوری کے قائل کسی فرد کا کبھی کبھار گوشت والا سینڈوچ کھا لینا اس کے مجموعی نظریے کو ختم نہیں کر دیتا۔

انارکسٹوں کی انفرادی رائے کچھ بھی ہو، حقیقت یہی ہے کہ مذکورہ 'سات غلبے' جبر کی خالص شکلیں ہیں، کیونکہ یہ فطرت اور انسان کو ان کی مرضی کے خلاف قابو میں رکھتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح قدیم شہنشاہ اپنی رعایا کو مجبور کرتے تھے، جدید ریاستیں بھی وہی کام کر رہی ہیں۔ جائیداد کی ملکیت، سرمائے کی ریل پیل، تحریر و قانون کا جال، اکثریت کی طاقت، فنی مہارت، پیشہ ورانہ مقتدرہ اور منظم اطاعت گزاری——یہ سب دراصل لوگوں پر غلبہ حاصل کرنے کے ہتھیار ہیں۔ یہاں تک کہ پیچیدہ اور بھاری بھرکم آلات و نظام بھی انسان کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں اور اسے ان طریقوں سے سوچنے، کام کرنے اور محسوس کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو اس کی اصل فطرت کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ مثلاً نظامِ ٹرانسپورٹ، سکول یا بڑے فارم ہاؤسز کا ڈھانچہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی جبلتوں کے بجائے نظام کی ضرورت کے مطابق زندگی گزارے۔ آخر میں یہ بات بھی بلاخوف

تردید کہی جاسکتی ہے کہ ذہنی انتشار اور ہیجان انسانی شعور پر قابض ہو کر اسے وہ سوچنے اور کہنے پر اکسا سکتے ہیں جو وہ حقیقت میں نہیں چاہتا؛ جیسے نفرت، غصہ اور مایوسی۔ میں پریشانی اور لایعنی خواہشات سے بچنا چاہتا ہوں، لیکن ایمانداری سے مشاہدہ کروں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لمحے مجھ پر میرا نہیں بلکہ میری 'احمق ذات' (False Self) کا اختیار ہے۔

لہذا، ایک ایسا فلسفہ جس کا بنیادی اصول ہی غلبے کی ہر شکل کو باطل قرار دینا ہے، اسے اپنے تمام تر نقائص اور سمجھوتوں کے باوجود ان سب کے خلاف برسرِ پیکار ہونا چاہیے: چاہے وہ ریاست کی مطلق العنان طاقت ہو، جائیداد، کارپوریشن، سرمایہ، قانون اور پیشہ واریت ہو، یا پھر انسان کی اپنی وہ 'جھوٹی ذات' جو ہر وقت فکرمند، منصوبہ ساز، محتاج اور خواہشات کی غلام رہتی ہے۔

مختصراً یہ کہ نراجی رویہ ان لوگوں کے لیے اجنبی ہے جو عمر بھر غلبہ پسند نظاموں کے سائے میں رہے ہوں۔ جس آزادی کا ذکر انارکسٹ کرتے ہیں، وہ عام آدمی کے تجربات سے اتنی دور ہے کہ گویا کوئی مریخ پر زندگی گزارنے کا نسخہ بتا رہا ہو۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی غیر فطری طرزِ عمل نہیں، بلکہ یہ وہی طریقہ ہے جس کے مطابق ہم میں سے بیشتر لوگ پہلے ہی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں—— کم از کم ان لمحات میں جب ہم واقعی خوش ہوتے ہیں۔ ہم اپنی محبتوں، دوستیوں اور یہاں تک کہ نظام کے شکنجے میں رہتے ہوئے کام کے دوران بھی دراصل 'انارکسٹ' ہی ہوتے ہیں۔ جب ہمارا 'باس' موجود نہیں ہوتا اور ہم سب مل کر اس 'انتشار' کا حل ڈھونڈنے بیٹھتے ہیں جو اس (باس) نے پیدا کیا ہوتا ہے، تو ہم چند لمحوں کے لیے ایک سادہ اور موثر اجتماعیت کی جھلک دیکھتے ہیں۔ مگر یہ جھلک اتنی برق رفتار ہوتی ہے کہ ہماری توجہ سے پھسل جاتی ہے، باس واپس آجاتا ہے اور سیاست، پولیس، اساتذہ اور روپے پیسے کی جابر دنیا دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ پھر جب کوئی ہمیں بتاتا ہے کہ وہ 'انارکسٹ' ہے، تو ہم اس تصور سے متعارف ہوتے ہیں، جو اگرچہ حیران کن ضرور ہوتا ہے لیکن بے معنی ہرگز نہیں۔ اور یقیناً "ہم غور کرتے ہیں، بہرصورت ہم کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض: انارکیت غیر انسانی ہے؟

غلبے کے ان تمام جابرانہ نظاموں کے نیچے، انسانی فطرت کی اصل حقیقت کیا ہے جو ہمیں (زندگی گزارنے پر) مجبور کرتی ہے؟ اگر کوئی بیرونی طاقت یا کوئی دوسرا شخص ہمیں کنٹرول نہیں کر رہا—— حتیٰ کہ ہمارے اپنے ہیجان خیز جذبات اور منتشر خیالات بھی ہم پر حاوی نہیں ہیں—— تو پھر باقی کیا بچتا ہے؟ ایسی صورت میں ہم کیسے عمل کریں گے؟ کیا ہم ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے؟ کیا ہم محض چوری، لڑائی اور لالچ کے ذریعے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے؟ یا ہم پاگل ہو جائیں گے؟

حاکمیت پسند (Authoritarians)—— یعنی وہ حقیقی حاکمیت پسند جو مذکورہ 'سات غلبوں' کے حامی ہیں—— ان سوالات کا جواب 'ہاں' میں دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انسان فطرتاً خودغرض، نادان اور متشدد ہے، اس لیے ہمیں بادشاہت، ریاست، کارپوریشن، جمہوریت، قوانین اور ایک ایسے ذہن کی ضرورت ہے جو جذبات پر غلبہ پا سکے، تاکہ 'انارکی' (نراجیت) کا راستہ روکا جا سکے۔ وہ 'انارکی' کی تشریح قرونِ وسطیٰ کی کسی ایسی دوزخ کے طور پر کرتے ہیں جس میں انسان نما درندے ایک دوسرے کا شکار کرتے ہوئے آزادانہ دندناتے پھرتے ہوں۔ مگر آزادی پسند—— اور یہاں میں دوبارہ ان حقیقی آزادی پسندوں کا ذکر کر رہا ہوں جو کسی جبر کو قبول نہیں کرتے—— وہ اس کا جواب 'نہیں' میں دیتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ بلاشبہ انسان متشدد، خودغرض اور نادان ہو سکتا ہے، لیکن اپنی اصل حقیقت میں ہم پُرامن، فراخ دل اور صاحبِ بصیرت مخلوق واقع ہوئے ہیں۔

حاکمانہ سوچ رکھنے والے عام افراد اس خیال پر ردعمل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: 'اپنے اردگرد نظر دوڑائیں، لوگوں کو دیکھیں، خبروں پر دھیان دیں؛ ہم صریحاً متشدد، خودغرض اور غبی ثابت ہو رہے ہیں۔' حاکمیت پسند ماہرِ نفسیات بھی اس سے اتفاق کرتا ہے؛ وہ ایسے کئی تجربات کی طرف اشارہ کرے گا جن سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان فطرتاً جابر اور احمق ہے۔ حاکمیت پسند فلسفی بھی یہی کہتا ہے کہ ان 'سات غلبوں' سے باہر نہ کوئی تنظیم ہے، نہ کوئی معنی اور نہ ہی کوئی دانش۔ ان کے پاس فطرت اور فطرتِ انسانی پر اپنی اس بے اعتمادی کو چھپانے کے لیے بڑے بڑے پیچیدہ نظریات موجود ہیں، اور درحقیقت حاکمیت پسند رویے اپنی بنیادیں اسی بے اعتمادی پر استوار کرتے ہیں۔

یہاں ایک آزادی پسند اس بنیادی نکتے کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ لوگ جو ہمارے اردگرد ہیں، جن کے بارے میں حاکمیت پسند شاکی رہتے ہیں اور جن پر ماہرِ نفسیات تحقیق کرتا ہے، ان سب کی پرورش ایک ایسی دنیا میں ہوئی ہے جسے جبر کے ذریعے قابو میں رکھا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ 'ہمیں حاکمیت پسند قوتوں کی ضرورت ہے کیونکہ جن لوگوں پر ان کا غلبہ ہے وہ متشدد اور خودغرض ہو چکے ہیں'، دراصل ایک 'منطقی مغالطہ' ہے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے کہ 'پرندوں کو پنجروں میں بند رکھنا ضروری ہے کیونکہ پنجروں میں بند پرندے خطرناک (یا اڑنے کے نااہل) ہوتے ہیں'۔

انارکسٹ انسانیت کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کی بنیاد اس بات پر نہیں رکھتا کہ آس پاس کے لوگ کیسے سوچتے ہیں یا کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، بلکہ وہ اس کی بنیاد اپنی 'جبلت' پر رکھتا ہے۔ اس حوالے سے وہ حاکمیت پسند سے مختلف نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ جب وہ اپنی ذات کے اندر جھانکتا ہے تو اسے علم ہوتا ہے کہ بے شک وہ کبھی دروغ گو، بزدل، احمق یا سادیت پسند (Sadist) ہو سکتا ہے، لیکن حتمی طور پر وہ اپنی ان جبلتوں پر انحصار کرتا ہے جو اسے بتاتی ہیں کہ وہ اپنی اصل میں ایک پُرامن، فیاض اور سوجھ بوجھ رکھنے والا فرد ہے۔ وہ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ دوسرے انسان بھی لازماً ایسے ہی ہوں گے۔ یہ وہ نتیجہ ہے جو اس کے اپنے قریبی (انسانی) تعلقات سے کشید ہوتا ہے اور اس پر واضح کرتا ہے کہ اختیار اور طاقت کی عدم موجودگی کا نام 'افراتفری' نہیں بلکہ 'امن' ہے۔

دوسرا اعتراض: کیا انارکیت انتشار کا دوسرا نام ہے؟

ایک عمومی اعتراض، جو حاکمیت پسند انارکسٹوں کے تمام پابندیاں ختم کرنے کے مطالبے پر کرتے ہیں، وہ محض ایک خوف نہیں ہے کہ انارکیت انتشار (Chaos) کے مترادف ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کلچر کو کنٹرول کرتے ہیں، الفاظ کی تعریفیں بھی وہ ایک تحریری سچ کے طور پر خود وضع کرتے ہیں۔ نظام (سسٹم) کی لغات میں لفظ 'انارکی' کا مطلب ہی 'انتشار' کے مترادف ہے، باوجودیکہ —— پاگل پن کی چند استثنائی مثالوں کے سوا—— حقیقی انارکسٹ کبھی بھی 'نظم' (Order) کے مخالف نہیں رہے۔

سوال جو انارکسٹ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ: 'کون سا نظم؟ اور کس کا نظم؟' انارکسٹ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے قابل صرف وہی سماج ہے جو وجدانی یا فطری بنیادوں پر کسی 'فطری نظم' پر استوار ہو اور انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو ترتیب دے سکے۔ لیکن حاکمیت پسندوں کے لیے وجدان اور فطرت کی کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ انہیں ان کا کوئی ثبوت نظر نہیں آتا۔ ان کے نزدیک وجدان / فطرت محض ایک بے ہنگم جذباتیت کا دوسرا نام ہے، اور فطرت میں کم از کم اصولی طور پر ان کو جو کچھ نظر آتا ہے، ان میں جنگ و جدل، خوف، تکلیف، درجہ بند (طبقاتی) جدوجہد، مجہول اطاعت گزاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے نزدیک فطرت چاہے کتنی ہی خوبصورت اور منظم کیوں نہ ہو، اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان لوگوں کے لیے فطرت اور انسانی جبلت میں اگرچہ کچھ منظم عناصر ہو سکتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ ایک ایسی جنگ ہے جو ہر کسی کی ہر کسی کے خلاف (War of all against all) جاری ہے۔ لہذا، ان کے نزدیک معاشرے کو منظم کرنے کا واحد راستہ ہماری فطری جبلتوں کو دبانا اور انہیں کنٹرول کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ نتیجہ؟ لوگ ناراض، بور، بے وقوف اور پُر تشدد وجود بن جاتے ہیں یعنی بے ترتیب، دوسرے الفاظ میں وہ انتشار کا شکار بے ترتیب افراد۔۔

دلیکن دیکھیں ہر شے کس قدر شفاف ہے! دیکھو تمھارے فون کی کارکردگی کتنی کمال درجے کی ہے! ایم 25 پر کس نفاست سے تار کول بچھا ہے"۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سسٹم کے انتشار (کیاس) کا ادراک انتہائی مشکل ہے کیونکہ یہ رسمی طور منظم ہے، ہر چیز دیکھنے میں درست لگتی ہے، بشرطیکہ آپ دیکھ درست جگہ پر دیکھ رہے ہوں۔ مثلاً کاغذ پر ہر شے درست نظر آئے گی کیونکہ تحریر کے ایجاد ہونے پر۔۔۔ نظام کی اولین ترجیح بھی یہی رہی ہے کہ زمین و آسمان کی ہر شے کو بہر صورت پڑھا جا سکے—— ہر شے۔ پیمایش شدہ، نام یافتہ، معیار یافتہ ہو اور کنٹرول میں ہو۔

ہر چیز تب ہی ٹھیک نظر آتی ہے جب وہ بے جان ہو۔ ایک جدید فارم (زرعی) اس ترتیب کی بہترین مثال ہے کیونکہ اس میں ہائپر سطح پر منظم کی ہوئی ایک فصل کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچتا اور جو اسی طرح کے ایک منظم شدہ کیمیائی (مصنوعی) ذریعے (ان پٹ) کی بنیاد پر پھلتی پھولتی ہے (اس کا اطلاق جدید کمپیوٹر اور جدید شہر پر بھی ہوتا ہے)۔ آخر کار ہر شے اس وقت تک خوش گوار دکھائی دیتی ہے جب تک ناخوش گوار پر نظر نہ پڑے۔ ہمارا واسطہ، ہم نفسوں یا دوسرے جانداروں کے ساتھ براہ راست نہیں ہوتا۔۔۔ یوں ہم دیوانگی / افراتفری کے اس احساس سے محفوظ رہتے ہیں جو دفتر (فلیٹ، فارم، فیکٹری یا دکان) کے باہر پھیلی ہوتی ہے۔ تمام انسانی تعاملات نظام کے ذریعے طے پاتے ہیں، لہذا ہمیں ان تلخ مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جن سے ہمارا باضابطہ نظم (آرڈر) تشکیل پاتا ہے (مثال کے طور پر وہ لوگ جو ہمارے لیے کمپیوٹر تیار کرتے ہیں یا وہ جانور جو برگر کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے) یا ان کے اثرات کا سامنا نہیں ہوتا (جیسے ہمارا پھینکا ہوا کچرا اور فضلہ کدھر جاتا ہے)۔

ہم جراثیم کش گاڑیوں، جدید ویکیوم کلینرز اور سیلف سروس مشینوں کے حصار میں زندگی گزارتے ہیں۔ ہمیں ہر چیز اتنی ہی محفوظ اور ترتیب یافتہ دکھائی دیتی ہے جتنی قدیم یونانیوں اور رومیوں کو اپنی زندگیاں لگتی تھیں، جنہیں اس دہشت کا ذرا بھی اندازہ نہیں تھا جس پر کہ، بڑے قرینے سے مرتب کی ہوئیں ان کی زندگیاں استوار تھیں۔ ہم خود پر اس لیے پُر اعتماد ہیں کیونکہ ہمیں اپنے مصنوعی ماحول کی حفاظت اور ترتیب پر یقین ہے؛ گیٹ کے باہر کیا ہو رہا ہے، اس پر توجہ دینا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم جانتے ہیں کہ باہر کچھ غلط ہے، یا شاید اسے لاشعوری طور پر محسوس کرتے ہیں—— جیسے کسی خوشگوار پکنک کے دوران کہیں دور سے گرج کی ہلکی سی گونج سنائی دے—— یہ گونج ہمیں خوفزدہ کرتی ہے، اسی لیے ہم اس بے چینی کو دبانے کے لیے خود کو مزید 'ترتیب و صفائی' کے جنون میں مبتلا کر لیتے ہیں۔

اپنے ریکارڈز ترتیب دینا، کچن صاف کرنا یا نقشوں کا مطالعہ کرنا بذاتِ خود برا نہیں؛ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ نظام ایسے 'کھلونے' (مصنوعی مصروفیات) تخلیق کرتا ہے جو اس انتشار سے پیدا ہونے والی بے چینی کو عارضی طور پر دور کر سکیں—— اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ انتشار خود انہی کھلونوں اور نظام کے غلبے کا ضمنی نتیجہ ہے جو اس بے چینی کو دور کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

زمین پر صنعتی ٹیکنالوجی سے غلبہ قائم کرو، لوگوں پر جابرانہ قوانین سے حکمرانی کرو، اپنے بچوں پر سخت ''ڈسپلن'' کے ذریعے قابو پاؤ، عورتوں پر جسمانی قوت یا ذہنی چالاکی سے غلبہ جتاؤ، اپنی زندگی کو سخت منصوبوں، مقاصد اور نظاموں کے تحت چلاؤ، تاریکی پر چوبیس گھنٹے کی روشنی سے قابو پاؤ—— اور پھر کیا ہوتا ہے؟ کاغذ پر سب کچھ بالکل درست نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت کی دنیا میں یہ غلبہ غیر فطری انتشار پیدا کرتا ہے۔

لیکن 'غلبہ' محض طاقت یا اختیار (Authority) کا نام نہیں ہے۔ سمندر طاقتور ہے، لیکن انارکسٹ لہروں کی طاقت کے خلاف جدوجہد نہیں کرتے۔ اسی طرح بزرگ افراد اپنے وسیع تجربے کی بنا پر ایک اتھارٹی رکھتے ہیں؛ صرف ایک سنکی شخص ہی محض اصول کی خاطر بزرگی کی مخالفت کرے گا یا ان کی بصیرت افروز باتوں سے انکاری ہو گا۔ دراصل 'اختیار کا مالک ہونا' (Being in Authority) اور 'خود ایک معتبر اتھارٹی ہونا' (Being an Authority) کے درمیان ایک نہایت اہم فرق ہے، جس کا اظہار ہماری زبان سے بھی ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں آپ کی طاقت ایک مصنوعی رتبے یا پوزیشن سے پیدا ہوتی ہے جو اپنی تعریف کے لحاظ سے ایک غیر لچکدار منصب یا درجہ (Rank) ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں آپ کی قوت آپ کی اپنی ذات اور حیثیت سے کشید ہوتی ہے، جس میں آپ اپنا تجربہ، علم اور حساسیت بروئے کار لاتے ہیں۔ ایسی صورت میں، جب حالات تبدیل ہوتے ہیں تو وہ وقتی قوت (جو ضرورت کے تحت تھی) تحلیل ہو جاتی ہے، اور یقیناً فطری طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے۔

طاقت کو رتبوں اور عہدوں میں منجمد (Fix) کرنے کے نتائج بالکل ویسے ہی نکلتے ہیں جیسے ناموں کو محض عنوانات میں، نفسِ مضمون کو خشک تعریفوں میں اور رہنما نکات کو جامد قوانین میں بدل دیا جائے۔ ایسی صورت میں وہ نظام اصل اور بدلتے ہوئے حالات کا جواب دینے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ایک ایسی ناکامی اور ناقابل انتظام افراتفری کی صورت میں نکلتا ہے جس سے وہ ہر شخص واقف ہے جس نے کبھی عنوانات، تعریفوں، قوانین اور منجمد اختیارات والی کسی تنظیم میں کام کیا ہو۔ ایسی تنظیم میں نچلی سطح پر موجود لوگ، جو اصل صورتحال کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں، معاملے کو اپنے اختیار سے باہر پاتے ہیں۔ جبکہ اوپر بیٹھے لوگ نہ صرف اصل صورتحال سے قطعی لاعلم ہوتے ہیں، بلکہ وہ ان ماتحتوں کی ذہنی قوت سے خوفزدہ رہتے ہیں جو یہ ادراک رکھتے ہیں کہ اصل لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ 'بالادست طبقہ' زمینی حقائق کو سمجھنے کی ہر کوشش کو جنونی انداز میں دبا دیتا ہے۔

اس کے برعکس، ایک انارکسٹ گروہ میں جس فرد کی صلاحیت یا حساسیت دوسروں سے زیادہ ہو، وہ قدرتی طور پر قیادت سنبھال سکتا ہے۔ کوئی بھی معقول شخص، خواہ وہ انارکسٹ ہو یا نہ ہو، طوفان کے دوران ایک تجربہ کار ملاح کی ہدایت ماننے سے انکار نہیں کرے گا۔ درحقیقت، حقیقی صلاحیت اور حساسیت کا خاصہ ہی یہ ہے کہ ان میں 'جبر' شامل نہیں ہوتا۔ ایک حقیقی رہنما کی زبان سے نکلا ہوا ایک حرف ہی کافی ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی خوشی سے اس پر عمل کرے۔ ایک بار جب ہم جبر کے عنصر کو ختم کر دیں، تو انسانی حساسیت اور صلاحیت قدرتی طور پر ایک 'معتبر اتھارٹی' کی حیثیت سے نظم و ضبط سنبھال لیتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک انارکسٹ معاشرہ دراصل (حقیقی) قائدین سے بھرپور ہوتا ہے۔

جس طرح انارکیت اتھارٹی، قوت اور نظم کے قطعی برعکس نہیں ہے اسی طرح یہ قوانین سے بھی متصادم نہیں ہے۔ انارکسٹوں کے ڈسکشن بورڈ پر ایک عام شکایت یہ درج ہوتی ہے۔ "کیا واقعی میں یہ ایک انارکسٹ گروپ ہے۔ "" دیکھو آپ قوانین رکھتے ہیں"۔ سوال 'قوانین کے وجود (یا عدم وجود) کا نہیں بلکہ ان کے لچکدار ہونے کا ہے، یعنی وہ کس حد تک، کس تناظر میں استثناء کی اجازت دیتے ہیں، ان کی حدود کیا ہیں (اگر کوئی انہیں نظر انداز کرتا ہے اسے کس حد تک آزادی حاصل ہے) اور ان کے مقاصد کیا ہوتے ہیں (تمام ضابطے کس مقصد کے لیے ہیں)؟۔ انارکسٹ قوانین، نظام کے قوانین کے برعکس لوگوں کی ذہانت سے اور مختلف طرح کے غیر معمولی حالات سے مطابقت رکھتے ہیں جن سے لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے، اختلاف کرنے والوں کو ان کی حدود سے باہر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور خاص کر ایسے سچ کی خدمت کرتے ہیں جو انا زدہ (انا کی حدود) نہیں ہوتا۔

شاید آپ سوچ رہے ہوں کہ یہ بہت بہتر تو دکھائی دیتا ہے لیکن ہم ان کاہل لوگوں کا کیا حل کریں گے جو کام سے گریز کرتے ہیں، چوروں اور مجرموں کا، جو دوسروں کی پیدا کردہ اشیا یا اثاثے چراتے ہیں۔ اس کا انارکسٹ جواب یہ ہے کہ ہم صدیوں سے ان لوگوں کو مدد فراہم کر رہے ہیں اور انہیں ہم ایلیٹ کہتے ہیں۔ جب لوگ اپنے لیے اور اپنے ہم نفسوں کے لیے، جبر اور اختیار کے بغیر، معقول حد تک معاون حالات میں کام کرتے ہیں تو وہ کام چوری اور دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ یقیناً ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے مگر جب وہ طاقت میں نہیں ہوں گے، جیسے آج ہیں، تو ان سے نمٹنا بھی آسان ہوگا۔

یہ خوف کہ ہم پولیس کے بغیر اپنی حفاظت نہیں کر سکتے یا ڈاکٹروں کے بغیر تندرست نہیں رہ سکتے، بالکل ویسا ہی ہے جیسے کوئی یہ سمجھے کہ ہم کسی بڑے سپر سٹور (جیسے 'لی ڈل') کے بغیر اپنی خوراک کا بندوبست کرنے سے قاصر ہیں۔ اسکولوں کی مثال ہی لیجیے؛ حاکمیت پسند طبقات یہ سوال کرتے ہیں کہ ان اداروں کے بغیر ہم بچوں کو زیورِ تعلیم سے کیسے آراستہ کریں گے؟ انارکیت پر کیے جانے والے دیگر اعتراضات کی طرح، یہ اعتراض بھی زیرِ بحث ادارے کو اس کے وسیع تر تناظر اور انسانی شعور سے کاٹ کر دیکھتا ہے۔ اس منطق کا لبِ لباب یہ ہے: اگر ہم موجودہ صورتِ حال کو اس کی جکڑی ہوئی شکل میں قبول کر لیں (یعنی یہ فرض کر لیں کہ وسائل کی قلت ابدی ہے)، معاشرے کو اس کی موجودہ حالت میں دیکھیں (گویا یہ کوئی دشمن کا علاقہ ہے)، اور انسانوں کو بھی ویسا ہی تسلیم کر لیں جیسے وہ آج نظر آتے ہیں (یعنی محض خود غرض جانور یا گناہ گار وجود)۔۔۔ تو ایسی صورت میں اگر ہم ان اداروں کو مٹا دیں جو ہمیں اس تلخ حقیقت سے بچاتے، معاشرے کو نظم میں رکھتے اور لوگوں کو لگام ڈالتے ہیں، تو یقیناً ہر شے تہس نہس ہو جائے گی۔

سکولوں کے بغیر دنیا ایک علمی معاشرے کی متقاضی ہے جس میں فطرت اور اس میں نوجوانوں کی سرگرمیاں، نوجوانوں کو آزادانہ طور پر مہیا ہوتی ہیں۔ سیکھنے کے، کام اور کھیلنے کے مواقع۔۔۔ فطرت میں ہر دوسری شے کی طرح ان کی بھی بہتات ہے۔ جب بچے موسیقی سکولوں میں، گیراج میں، ورکشاپ میں، لائبریری میں، تجربہ گاہوں میں، شفاخانوں میں، تھیٹر میں، فارم ہاؤسز میں اور فٹ بال کے میدانوں میں بڑوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں تو وہ سیکھتے ہیں۔ بچوں کو حقیقت کے ساتھ براہ راست رابطے سے لیکن سند یافتہ مڈل مین کے احکامات کے بغیر اپنا کلچر سیکھنے کی اجازت کیوں نہیں ہوتی؟ کیونکہ حقیقت بہت زیادہ وائلڈ / بے قابو ہے۔ اس پر اثر ڈالا جا سکتا ہے، سمجھا جا سکتا ہے، استعمال میں لایا جا سکتا ہے، حتیٰ کے سراہا بھی جا سکتا ہے لیکن اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ یہی نکتہ ہے جو انہیں۔۔۔ وہ جو اداروں کے ذریعے کنڑول کے نشے میں مبتلا ہیں۔۔۔ خوفزدہ کرتا ہے، اور پلے اسٹیشن کے سامنے بے حس و حرکت سانسیں کھینچتے، ہزاروں بچوں کا مستقبل نہیں۔ اسی طرح جب کام پُرلطف ہو (یا کم از کم بامعنی ہو) جب آرام کے مواقع میسر ہوں، جب فطرت ہمسائیگی ہی میں موجود ہو، جب صحت عامہ کی ٹیکنیکیں اور آلات عام افراد کی پہنچ میں ہوں، جب وہ خود تشخیص اور خود علاج کر سکیں، اپنی تکلیف سے اپنے طور پر ہی نبٹ سکتے ہوں اور جب وہ موت سے ہمکنار بھی اپنی وجہ سے ہوں۔ مختصراً جب معاشرہ صحت مند ہوتا ہے تو پیشہ ور ڈاکٹروں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایسے افراد کی ضرورت ہے جو قدرتی طور پر پیچیدہ عوامل اور اس کی پرخطر ٹیکنیکوں میں تخصیصی مہارت کر سکتے ہوں، جیسے ڈھول بجانے کے لیے اُن لوگوں کی ضرورت ہے جن میں فطری صلاحیت ہو، لیکن انارکسٹ معاشرے ہر کوئی اپنا آہنگ رکھتا ہوگا۔

تیسرا اعتراض: کیا انارکی کا مطلب تشدد ہے؟

اگر انارکیت کا لفظ سننے پر پہلا تصور انتشار کا آتا ہے تو دوسرا غالباً تشدد کا ہونا چاہیے۔ انارکیت جب اتنی طاقت ور تحریک ہوگئی، جیسا کہ زیادہ تر انیسویں صدی کے دوران، کہ اس کے ساتھ نبٹنا ضروری محسوس کیا جانے لگا تو دونوں تلازمات (انتشار اور تشدد) کو بڑی شدومد کے ساتھ پروان چڑھایا گیا۔ سایوں میں رینگتے ہوئے مونچھوں والے شیطان کا تصور پہلے عام کیا گیا، 1986 میں شکاگو کے ہے مارکیٹ اسکوائر میں ایک بم دھماکے کے بعد اس تصور کو مزید سنسنی خیزی دی گئی۔ اگلی چند دہائیوں میں انارکسٹوں کے ہاتھوں کئی ملکوں کے سربراہ جان سے مارے گئے۔ یہ استعارہ پروان چڑھنے میں کئی سال لگ گئے۔۔۔ آج بھی کارٹون بم اکثر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دکھایا جاتا ہے جو "وی فار وینڈیٹا" کا ماسک یا فلسطینی کفایا پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ تاہم اس کی تشریح (بلا تفریق) بچگانہ تشدد کی صورت میں ہی ہوتی ہے۔
اس مسئلے کی جڑ تک سب سے پہلے سوشلسٹ جارج آرول پہنچے۔ انہوں نے اپنے دوست جارج ووڈکاک سے شکایت کی کہ انارکسٹ سوسائٹی کے پاس گروہی ذہن کو اُس جبر سے روکنے کے لیے کچھ نہیں ہے جو کہ ریاست کا خاصہ ہوتا ہے، لامحالہ اس کا امکان بھی موجود رہتا ہے۔۔۔ ایک خاص طرح کے 'احمق' انارکیت کی طرف مائل ہو سکتے ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے کلاسیکی موسیقی، ٹیم اسپورٹس یا "ہیلو کٹی" جیسے افسانوی کرداروں کے کچھ مخصوص دیوانے ہوتے ہیں۔ ان کی حماقت ایک طرف تو ان کی اپنی ذات کو تقویت پہنچاتی ہے (اپنے گروپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر ثابت کر کے) اور دوسری طرف اپنی بے توقیری کا باعث بھی بنتی ہے (مخصوص سٹریوٹائپ طرزِ عمل اختیار کر کے)۔ یہ رویہ ایک ایسے گھسے پٹے 'کلیشے' کی راہ ہموار کرتا ہے جو آسانی سے ہیجان انگیزی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مخالفین کی تضحیک کا نشانہ بنتا ہے۔ مثال کے طور پر، مخصوص انارکسٹوں میں مقبول لباس پہنے متشدد ملحد نوجوان، چک پلنیوک کا مطالعہ کرنے والے، ہارڈ کور موسیقی کے جنونی، پراگندہ گھروں میں رہنے والے اور 'پولیس کے خاتمے' کی میمز (Memes) کے خوابوں میں مبتلا نوجوان —— یہ سب انارکیت کی اس سے زیادہ نمائندگی نہیں کرتے جتنی کلف رچرڈ عیسائیت کی یا ہیلن لیوس حقوقِ نسواں کی کرتی ہیں۔
حقیقت میں انارکسٹوں کی بڑی تعداد امن پسند ہے اور کچھ اس حوالے سے قدرے انتہا پسند بھی واقع ہوئے ہیں۔ (مثلاً گاندھی نے بھی خود کو ایک انارکسٹ طور پر پہچانا) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ انارکیت لازماً امن پسندی ہی ہے یا تشدد کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی (خاص کر جائیداد کے خلاف اسے ضروری سمجھا جاتا ہے)۔

در حقیقت، مکمل اور حتمی امن پسندی ایک غیر اخلاقی، بے ثمر اور بسا اوقات نسل پسندانہ بے معنویت ہے۔ (حتیٰ کہ گاندھی بھی، مارٹن لوتھر کنگ کی طرح، اس صورت میں مسلح جدوجہد کے خلاف نہیں تھے جب امن پسندی بے نتیجہ ثابت ہو رہی ہو)۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو مشورہ دیتے ہیں کہ مقامی امریکی، یہودی یا لاؤ شیائی اپنی نسل کشی سے بچاؤ کے لیے 'مثبت سوچ' کا اظہار کریں یا موم بتیاں تھام کر محض پرامن احتجاج ریکارڈ کراتے رہیں؛ وہ بھی اپنی چار سالہ بچی پر ہونے والے حملے کا دفاع انتہائی جارحانہ طریقے سے کریں گے۔

ان بنیادوں پر انارکیت کی بطور ایک 'متشدد تحریک' حتمی تشریح کرنا—کہ یہ محض ایک بے چین، گروہ پرست اور بچگانہ ذہن کی رغبت ہے، یا تشدد کا استعمال اور محض تشدد کی ایک تجویز ہے—صرف ایک مضحکہ خیز خاکہ ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا منافقانہ فیشن بھی ہے جو بادشاہوں، سرمایہ داروں، سوشلسٹوں اور نظام کے دیگر نمائندوں کی طرف سے چلا آرہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہم جس طرزِ زندگی کا شکار ہیں (یا جو ماضی میں نظام کا حصہ رہ چکے ہیں)، وہ اس سے کہیں زیادہ متشدد ہے۔ وہ نظام جس نے کرہِ ارض پر ہر اچھی شے کو متشددانہ طریقوں سے تہس نہس کرتے ہوئے ہزاروں سال گزارے ہیں، جو نہتے عوام کو لوٹتا رہا، انہیں نیست و نابود کرتا رہا یا زبردستی اپنا حصہ بناتا رہا—اس کے مجموعی تشدد کا تو تصور ہی محال ہے۔

چوتھا اعتراض: انارکیت محدود ہے؟

ایک اور خدشے کا اظہار جو لوگ عام طور پر نراجیت کے بارے میں کیا جاتا ہے، وہ اس کی چند سو پر مشتمل چھوٹے گروہوں سے بڑھ کر موثر ہونے کی صلاحیت ہے۔ ناقدین نشاندہی کرتے ہیں کہ بلاشبہ، قبل از زراعت دور کے چھوٹے گروہ اور مختصر انحرافی جتھے، اپنی زندگیاں جبری قوانین کے دائرے سے باہر گزار سکتے ہیں لیکن اب بعد از صنعتی گلوبل معاشرہ کو ہم اس رُوئے زمین پر کیسے منظم کریں گے؟
ہم اکثر سوچتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے؛ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ 'نیچے سے اوپر' (Bottom-up) کی سمت میں منظم نہیں ہو سکتی۔ لیکن انارکسٹ اصولوں پر تشکیل پانے والی دنیا کیسی ہو گی؟ یہ ایک کھلا سوال ہے۔ بڑے پیمانے پر انارکسٹ تعاون اور آزاد بین الاقوامی تبادلہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ اس کے نتیجے میں ایک بے حد پیچیدہ دنیا وجود میں آسکتی ہے، مگر وہ دنیا قطعاً ویسی نہیں ہو گی جس پر زار (Czars) یا کمیسار (Commissars) حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انارکیت 'پیچیدہ فیڈریشن' کی مخالف نہیں ہے، بالکل ویسے ہی جیسے یہ لیڈرشپ، اتھارٹی اور قوانین کی (مطلق) مخالف نہیں ہے۔ انارکیت جس چیز کے خلاف ہے، وہ ہے 'درجہ بند عمودی کنٹرول' (Hierarchical Vertical Control)۔ انارکسٹ تنظیمیں دراصل 'افقی' (Horizontal) ہوتی ہیں؛ یعنی ایک ایسی ہموار شکل جس میں بالائی سطح کے پاس طاقت صفر ہوتی ہے اور 'ٹاپ' پر موجود لوگ محض مشاورت اور معلومات کی ترسیل تک محدود ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ڈھانچے غیر مؤثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ معروف انارکسٹ مفکر کولن وارڈ نے اشارہ کیا ہے: عالمی پوسٹل سروس اور ریلوے نیٹ ورک دو ایسی بڑی انارکسٹ مثالیں ہیں جن میں کوئی واحد مرکزی کنٹرول موجود نہیں ہوتا۔ جیمز سکاٹ کے مطابق، انسانی تہذیب کے آغاز سے قبل ایسے لاتعداد معاشرے موجود رہے ہیں، یہاں تک کہ جدید دور میں بھی ہم نے اس کی ایک جھلک دیکھی—افسوس کہ صرف چند لمحوں کے لیے۔ انقلابی سپین میں ایک وسیع پیمانے پر انارکسٹ سوسائٹی تھوڑے عرصے کے لیے قائم ہوئی تھی۔ اگرچہ اسے سمجھوتوں میں الجھنا پڑا، ایک طرف دائیں بازو کی فاشسٹ مخالفت تھی تو دوسری طرف بائیں بازو کے اصلاح پسند اور متشدد کمیونسٹ دباؤ؛ مزید برآں وہ ہر طرح کی دھوکہ دہی جو ایسے کھلے انقلابی تجربے کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود، انارکسٹ سپین میں بڑے پیمانے پر عوامی برجستگی، امن، نظم وضبط اور فیاضی کی کئی حیران کن مثالیں دیکھنے کو ملیں۔

لیکن ٹھہریئے! ایک طاقتور ریاست کو کسی غیر رسمی اور (بظاہر) کمزور انارکسٹ فیڈریشن پر غلبہ پانے سے کیا چیز روکتی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ تقریباً کچھ بھی نہیں۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہمارا 'مدافعتی نظام' ہی ناقص ہے؟ کیا ایک گولی کا شکار ہو جانا نظام کی ناکامی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انارکیت—حقیقی انارکیت—حاکمیت پسندانہ درجہ بندیوں (Hierarchies) کو تشکیل پانے سے روکتی ہے۔ یہ غیر معمولی حد تک سخت جان ہوتی ہے اور متنوع حالات میں کسی بھی مرکزیت پسند ریاست کے مقابلے میں زیادہ لچکدار طریقے سے اپنا دفاع کر سکتی ہے۔ تاہم، جدید ریاستوں کی اس ہیبت ناک فوجی طاقت سے—جسے منظم کرنے اور اپنے محکوموں کو سدھانے میں ہزاروں سال لگے ہیں—انارکیت ہمیں اس سے زیادہ تحفظ نہیں دے سکتی جتنا ایک شہد کی مکھی اپنے چھتے کو 'ایٹمی بم' سے بچا سکتی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم دیکھیں گے، یہ پہلو انارکیت کو بے بس یا کمزور ثابت نہیں کرتا۔

ایک متعلقہ سوال یہ بھی ہے کہ اگر خود انارکسٹ سماج کے اندر سے ہی دوبارہ غلبہ پسندی نمودار ہو جائے، تو اسے کون روکے گا؟ اس تضاد کو تسلیم کرنا ہو گا کہ غلبے کا تدارک اکثر غلبے کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی ماننے کہ لوگوں پر مکمل غلبہ حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں—موجودہ سسٹم کو اپنے پاؤں جمانے میں چالیس ہزار سال لگے ہیں اور اسے خود کو برقرار رکھنے کے لیے آج بھی انتھک جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہم اس بات سے بھی صرفِ نظر کر لیں کہ انسانیت بھی افراد کی طرح تجربات سے سیکھتی ہے اور جہالت کے اندھیروں کو ایک فکری دھماکے سے ختم کر سکتی ہے، تب بھی یہ امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ پرانا نظام دوبارہ جنم لے لے اور یہ سائیکل پھر سے شروع ہو جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ: تو پھر کیا؟ کیا یہ خدشہ آپ کے لیے رکاوٹ بن جائے گا؟ کیا آپ کھانا اس لیے چھوڑ دیں گے کہ آپ کو دوبارہ بھوک لگ جائے گی؟ کیا آپ ورزش کرنا ترک کر دیں گے کہ آپ پھر سے موٹے ہو سکتے ہیں؟ یا کیا آپ اس خوف سے محبت کرنا چھوڑ دیں گے کہ کہیں دوبارہ دھوکہ نہ مل جائے؟

پانچواں اعتراض: انارکیت غیر مہذب ہے؟

درست۔ جہاں تک مؤثر اور مربوط انارکیت کا تعلق ہے، یہ ساری اس غالب مشینری کو رد کرتی ہے جسے ہم عام طور پر تہذیب کہتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے زیادہ تر ادوار میں ایسی معاشرتیں عام رہیں ہیں اور حالیہ عرصے تک اس دور کی بے شمار باقیات بھی موجود تھیں جو کسی نہ کسی حد تک حقیقی انارکسٹ طرزِ زندگی کا نتیجہ ہیں؛ ایسی معاشرتیں جن میں مساوات پر مبنی سماجی اور جنسی تعلقات ایک معمول تھے، جیسا کہ کام خوشگوار تھا، قلت کا کوئی وجود نہیں تھا، نہ پیسے کا نظام تھا، نہ جنگیں ہوتیں، اور بہت ہی کم تکالیف تھیں، کم از کم ہمیں جن کا آج سامنا ہے۔ خاص طور پر، ڈپریشن، شیزوفرینیا، یا سائیکو پیتھی جیسی بیماریاں موجود نہیں تھیں۔ وہ انسان لمبی عمر پاتے، صحت مند ہوتے اور خوش زندگی گزارتے تھے، جیسا کہ قدیم لوگوں کا مطالعہ کرنے والے ماہرین اتفاق رکھتے ہیں۔ مسائل تو یقیناً تھے، تنازعات، اختلافات، حتیٰ کہ قتل بھی—بلاشبہ وحشی پن، وحشت ناک حد تک (انسان کا) ساتھی ہے، مگر جائیداد، خصوصی اختیار اور دوسرے لاتعداد مسئلوں کی عدم وجود میں، ذاتی مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا تھا۔ اسی طرح، اس پر بھی اختلافات اور شکوک بھی ہوتے تھے کہ کیا درست لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ لیکن انہیں ووٹ کے ذریعے حل نہیں کیا جاتا تھا جس کے سامنے اقلیت کو سر جھکانا پڑے۔ بلاشبہ بیشتر صورتوں میں ان (مسائل) کا سرے سے کوئی حل نہیں ملتا تھا۔ مسائل اس طرح سے حل کیے جاتے تھے جن کا آج تصور تک بھی ممکن نہیں، ساتھ مل کر درست فیصلہ تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

اس سوچ کو کہ تاریخ کی سب سے کامیاب معاشرتی تنظیم کو ہمارے لیے وہ مثالی ماڈل بننا چاہیے جس کی آج ہم اجتماعی سطح پر ضرورت محسوس کرتے ہیں—"قدیمی انارکیت" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نظریہ دراصل تنظیم کی ان مہذب شکلوں کی مخالفت کرتا ہے جو مرکزی کنٹرول والے زرعی نظام، صنعتی ٹیکنالوجی اور ادارہ جاتی غلبے پر مشتمل ہیں۔ ناقدین کے بنائے ہوئے مزاحیہ خاکوں (جیسے: 'خود فون استعمال کر رہے ہیں اور باتیں انارکیت کی کرتے ہیں، کتنے

منافق ہیں!')کے باوجود، قدیمی انارکیت تمام ٹیکنالوجی کو مسترد کرنے کا کوئی مضحکہ خیز نظریہ نہیں رکھتی۔ یہ آگ، مٹی کے برتنوں یا حتیٰ کہ اس زراعت کی دشمن نہیں ہے جو ریاست کے زیرِانتظام جدید 'ہولناک فارمز' سے صدیوں پہلے وجود میں آچکی تھی۔ اور نہ ہی یہ قدیمی انارکیت کے اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر درختوں میں جا کر رہنا شروع کر دیں۔ یہ یقیناً اس بات کی سفارش نہیں کرتی جیسا کہ بعض ناقدین سمجھتے ہیں، کہ انسانیت کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ صرف سمجھتی ہے کہ لوگوں کو ہانکتے ہوئے جبر اور کنٹرول۔۔۔ بادشاہت، پارلیمنٹ اور کارپوریشن۔۔۔ سے زیادہ گہرے سرایت کر چکے ہیں اور یہ کہ ہم سدھائے تو جا چکے ہیں، لیکن اس قدر اپنے آلات/مشینوں کی وجہ سے نہیں، جس قدر ان کے ذریعے جو ان پر اختیار رکھتے ہیں، اور یہ کہ ایک فعال معاشرے کو لازمی طور پر ہمارے آباؤ واجداد کی غیر جمہوری فلاحی مساوات، حساسیت اور فطری پن پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے قدیمی انارکیت، انارکیت کی ایک قسم ہے۔

اصطلاحات کی بحث سے قطع نظر، صرف قدیم معاشرتیں واحد مثال نہیں ہیں کہ ہمیں زر، سودی قرضوں کا مہلک جال، شدید تخصیص (ہائپر سپیشلائزیشن)، پیشہ ورانہ طاقت کے گورکھ دھندوں، بیوروکریسی، قانون اور دیگر تہذیبی تکنیکوں کی ضرورت نہیں ہے تا کہ ہم خوشحال زندگی گزار سکیں۔ دنیا بھر میں۔۔۔ قرونِ وسطیٰ سے دورِ حاضر تک۔۔۔ لوگ غیر رسمی، غیر مرکزی نظاموں کے تحت اپنے فیصلے خود کرتے رہے ہیں، اپنی زندگیوں کا انتظام کرتے، کام کرتے، کھیلتے، تعلیم حاصل کرتے اور تنازعات کو بغیر کسی بالادستی کے حل کرتے رہے ہیں۔ جب کبھی پیسے کی رسد رک جاتی ہے، پولیس غائب ہوتی ہے یا حکومت ختم ہو جاتی ہے، تو عین اسی وقت لوگوں پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ زندگی نہ صرف معمول کے مطابق جاری رہتی ہے، بلکہ اکثر پہلے سے کہیں زیادہ آسان اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔ عام طور پر ایسا کسی بحران کے دوران ہی دیکھنے میں آتا ہے؛ جیسا کہ 1970 میں آئرلینڈ کے بینکوں کے دیوالیہ پن کے وقت، یا برطانوی، فرانسیسی، روسی، چینی اور ہنگری کے انقلابات کے ابتدائی ایام میں، یا 1968 کی بہار میں پراگ کے حالات، اور سابق سوویت یونین میں کمیونسٹ نظام کے انہدام کے وقت پیش آیا۔ حتیٰ کہ قدرتی آفات کے دوران، جب تباہی ہر طرف سے گھیر لیتی ہے، تو ان واقعات کی تمام تر ہولناکیوں کے باوجود لوگوں نے جس اجتماعی ذہانت، وسائل کی باہمی فراہمی اور جذبات کی بے ساختگی کا مظاہرہ کیا۔ یہ سب ان لوگوں کے لیے حیرت کا باعث ہے جو سماجی بحران کے دوران 'معاشرت' کے ٹوٹنے کو وحشیانہ انتشار کی صورت میں دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ درحقیقت ایسے 'انتشار' کا وجود تو ہوتا ہے، لیکن محض اس وقت تک جب تک کہ تسلط قائم کرنے والے اور بالادست افراد موجود رہیں۔ یہ تہذیب کی عدم موجودگی نہیں ہے جو تشدد اور ہنگاموں کو جنم دیتی ہے، بلکہ خود اس کی موجودگی ہے جو ان کی اصل وجہ بنتی ہے۔
دنیا بھر کی کسان معاشرتیں جن میں سے کچھ نہایت پیچیدہ اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں، بھی اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہیں کہ تہذیبی جبر کی مختلف مشینیں، زندگی کی تنظیم کے لیے غیر ضروری ہیں۔ مہذب ریاستوں کی ذیلی حدود میں قائم گروہ——جن کو ہم وحشی اور پسماندہ لوگ کہتے ہیں۔۔۔ صدیوں سے مرکزی کنٹرول کی مخالفت کرتے ہوئے، اپنی زندگیاں عمومی انارکسٹ خطوط کے مطابق کامیابی سے گزار رہیں ہیں۔ یقیناً، ان کے اندر کچھ غیر انارکیانہ مسائل بھی ضرور رہے ہیں۔ مگر ان کے لیے جو جاننے میں دلچسپی رکھتے ہوں، ان معاشروں نے ذہانت اور ہم آہنگی کا بھی اظہار کیا ہے، جن کے امکانات صرف ان افراد میں ہوتے ہیں جو سسٹم سے باہر کام کرتے ہوں۔

انارکیت کارگر ثابت ہوتی ہے، اور اس کی کامیابی کے شواہد بھی موجود ہیں۔ تاہم، آخر کار شواہد کی اہمیت ثانوی یا اس سے بھی کم ہو جاتی ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ ایک ایسی معاشرت میں چوری کا تصور ہی ناممکن ہے جہاں 'ملکیت' کا وجود نہ ہو۔ اسی طرح، پولیس اس وقت غیر ضروری ہو جاتی ہے جب نہ قانون نافذ کرنے کا کوئی جبر ہو اور نہ سرحدوں کی حفاظت کا کوئی سوال۔ تعلیمی اداروں کی حاجت باقی نہیں رہتی جب خود معاشرہ (اور قدرت) تعلیم کا مستقل ذریعہ بن جائیں، اور طبّی ماہرین کے پاس بھی کرنے کو کچھ نہیں رہتا جب بیماری اور ذہنی خلفشار کے بنیادی اسباب (سماجی ڈھانچے) ہی ختم کر دیے جائیں۔ سب سے بڑھ کر اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ آپ کو یہ سمجھنے کے لیے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کو ان حکومتوں اور اداروں کی حاجت نہیں جو آپ کو بتائیں کہ کیا کرنا ہے؛ کیونکہ فی الحقیقت، آپ میں اور ان میں کوئی (فطری) فرق نہیں ہے۔

چھٹا اعتراض: انارکیت غیر حقیقت پسندانہ ہے؟

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ انارکزم ایک قابلِ عمل اور معقول معاشرتی نظام ہو سکتا ہے، اور یہ کہ اس کی درست نمائندگی پاپ کلچر یا سیکس پسٹلز جیسے بینڈ کے ذریعے نہیں کی جا سکتی، تو ایک اہم اور پیچیدہ سوال سامنے آتا ہے: ہم اس نظام تک رسائی کیسے حاصل کریں؟ چونکہ موجودہ عالمی نظام انارکسٹ نظریات کے بالکل برعکس ہے۔ اس لیے ایک مکمل انارکسٹ طرزِ زندگی کا حصول بظاہر دشوار نظر آتا ہے۔ مزید یہ کہ، جب تک دنیا کے تمام خطے انارکسٹ اصولوں کو اختیار نہ کریں کیونکہ طاقت اور ٹیکنالوجی پر قابض ریاستیں ایسے آزاد معاشروں کو دبا سکتی ہیں۔ چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک بین الاقوامی سطح پر ہم آہنگ اور پائیدار انارکسٹ معاشرہ کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس کا کھرا جواب یہ ہے کہ ہم ایسا کوئی نظام نافذ نہیں کر سکتے، کیونکہ فطرت——بشمول انسانی شعور——اپنی اصل میں ایک ایسی "زندہ ذہانت" ہے جو پیچیدہ اور تغیر پذیر تناظر میں اپنا ردِ عمل خود تشکیل دیتی ہے۔ سماج کو منظم کرنے کے لیے وضع کردہ انارکسٹ عملیاں بہر حال کمزور ہوتی ہیں۔ جب لوگ پابندیوں سے آزاد ہوں گے تو وہ اپنی اپنی منفرد فیڈریشن، انجمنیں، ثقافت، روایات، کام کرنے اور زندگی گزارنے کے لچکدار طریقے وغیرہ خود تخلیق کر لیں گے۔ تاہم چند ایک امتیازی خصوصیات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو ایک آزاد اور فعال انارکسٹ قصبے یا ایک فارم، یا ایک تھیٹر میں لازمی طور پر موجود ہوں گی: جیسے انا کو تحلیل کرنے والی رسومات، بڑے گروہوں میں ضم ہوتے چھوٹے گروپ، عام آدمی کے قابلِ استعمال اوزار، فطرت کا وجود، دستکاری سے محبت، عورتوں اور بچوں کی آزادی، اور ایسا قائد جو سب کے پیچھے چلے، مگر اس کے باوجود ہم حتمی طور پر یہ علم نہیں رکھتے کہ مختلف مقامات پر لوگ اپنی زندگیاں کیسے منظم کریں گے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ شکر ہے ہم یہ نہیں جانتے۔

اس کے علاوہ، ہمیں جس دیو ہیکل عالمی نظام کا سامنا ہے، اسے اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ اسی طرح قبول کرنا پڑتا ہے۔ اسے گرا کر انارکیت کو فروغ دینا بظاہر ناممکن ہے؛ جس مضبوطی سے یہ نظام باہم پیوست ہے، اس کے اداروں کی تبدیلی میں صدیاں بیت سکتی ہیں (مثلاً نظامِ توانائی کی تبدیلی کے لیے شاید چار سو سال درکار ہوں)۔ ایک طرف ریاست، کارپوریٹ طاقت اور ٹیکنالوجی کے گٹھ جوڑ سے جنم لینے والا تسلط ہے جس کے سیاسی، پیشہ ورانہ اور عسکری بازو بے پناہ وسعت رکھتے ہیں، اور دوسری طرف عوام میں سرایت کر جانے والی بے حسی، بیماری اور خوف ہے۔ اس ہولناک منظر نامے کو زمین کی آلودگی کے تناظر میں دیکھیں: تیزی سے کٹتے جنگلات، فضا میں زہریلی گیسوں کا بڑھتا تناسب، پگھلتے ہوئے برفانی تودے اور سمندروں کی بڑھتی تپش۔ ہمارے پاس مہلت بہت کم ہے اور ہم بہت جلد تیل، معدنیات، پینے کے صاف پانی اور زرخیز مٹی سے محروم ہونے والے ہیں۔ اس سب کے اوپر کچرے کا وہ ڈھیر ہے جسے محسوس کرنے کی صلاحیت بہت کم لوگوں میں باقی رہ گئی ہے۔ اس دنیا کے بنیادی بگاڑ، اس کی عمیق تباہی اور اس تاریکی کی گہرائی کو محسوس کریں جس میں ہم اب جی رہے ہیں؛ ہم اجتماعی دانش اور حقیقی مسرت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ اب یہ تصورات کسی خواب کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔ مزید، اس سارے عمل کو ایک ٹھوس تسلسل کی صورت میں دیکھیں کہ کیا معنی تشکیل پاتے ہیں، ایک مظہر کی صورت میں

نظام کی شدت دیکھیں؛ کس طرح یہ مسلسل بڑھتا جارہا ہے، ناکام تہذیبوں اور اداروں کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے، پرانی تیکنیکوں کو بہتر بناتے ہوئے، سنگدلی سے آگے دھکیلتے ہوئے، نوآبادیات قائم کرتے ہوئے، عقلی تاویل گھڑتے اور پختہ کرتے ہوئے، تشریح کرتے ہوئے اور زیادہ سے زیادہ کنٹرول میں لاتے ہوئے بے تکان چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ ہم تباہی کے دہانے پر ہیں، اور یہ نظام صرف بڑھ ہی نہیں رہا، یہ ایک مرکب شرح سود کی طرح ہر شے کو اپنے دائرے میں جکڑ رہا ہے، برق رفتاری سے پھیل بھی رہا ہے۔ یہ کبھی نہیں رکتا، کبھی آرام نہیں کرتا، کبھی بھی ہار نہیں مانتا۔۔۔ یہ بدی ہے، غیر انسانی ذہانت ہے، انتہائی اعلی درجے کی۔ یہ اس حد تک کامل ہے کہ ہم جیسے انحراف پسندوں کو مجرم اور منافق بنا دیتا ہے (او ہو اس انحراف پسند کو دیکھو محنت کی دوکان سے خریدے جوتے پہنے ہوئے ہے)۔ اس لیے جب یہ ٹوٹتا ہے تو صرف اپنے حامی لوگوں کو ہی منتشر نہیں کرتا، ان کا گلا نہیں گھونٹتا، بلکہ اپنے مخالفوں کا بھی۔۔۔ منحرفین بھی ہر دوسرے کی طرح اس کی شیطانی چھاتیوں کو بھنبھوڑتے ہیں، اور جو اس سسٹم کی کمزوری سے مضبوط نہیں ہوتے، اس کے ساتھ کمزور ہوتے ہیں۔

اس سب کے بعد، غور کریں کہ صرف نئی ترتیب دینے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ کون سی اصلاح، یا تبدیلی، کون سی پٹیشن یا مارچ اور اخباری مضامین۔۔۔ اس دیو ہیکل نظام کو ہمیشہ کے لیے روک سکتی ہے تاکہ یہ پھر کبھی اپنے اوزار نہ اٹھا سکے؟ کچھ بھی نہیں۔ یہ سوچنا کتنا لایعنی اور احمقانہ ہے کہ ہم قانون سازی کے ذریعے اس سے باہر نکل سکتے ہیں، یا اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز کہ ماحول دوست ٹیکنالوجی سے پیداوار کو سست کر سکتے ہیں؛ کیا کوئی بھی معاشرے کو کبھی عقلی طور پر قابو میں رکھ سکتا ہے۔ سوچیں کہ اصل میں ہمیں کیا کرنا ہو گا تاکہ قدرتی دنیا کی فوری تباہی اور اس کے ساتھ ہماری نام نہاد تہذیب کا خاتمہ روکا جا سکے جو ہم نے تعمیر کی ہے۔۔۔ ہمیں فوری اور بڑے پیمانے پر منفی افزائش کرنی ہو گی، دولت اور طاقت کی نئے سرے سے تقسیم کرنا ہو گی، توانائی کے استعمال کو بہت زیادہ کم کرنا ہو گا اور ریاستی-کارپوریٹ نظام (چاہے وہ سرمایہ دارانہ ہو یا سوشلسٹ) کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ہو گا —— اور یہ سب ہر جگہ، تقریباً فوری طور پر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ نظام کو ختم کرنا ہو گا، ہمیشہ کے لیے۔ اور یہ کون کرے گا؟ ہم، جو اس مسئلے کو سمجھتے ہیں یا سمجھنا بھی چاہتے ہیں، ہم جو ناقابل یقین حد تک کمزور ہیں۔ چند بکھرے ہوئے انوکھے، ایک ایسی مشین کے سامنے جو دس ہزار سال سے تعمیر ہو رہی ہے، جس نے فطرت کے آخری گوشے کو بھی مسخر کر لیا ہے اور انسانی ذہن کے ہر گوشے میں سرایت کر چکی ہے۔ یہ ہر جگہ ہے، ہر وقت، ہر شخص میں، یہ
آلودہ جسم ہے، بے چین جذبات ہیں، اور ان پر مبنی تمام خیالات ہیں۔ ہمارا کوئی امکان نہیں ہے۔
ہم نہیں کر سکتے۔ لیکن میں کسی کو جانتا ہوں جو یہ کر سکتی ہے۔
برائی کے زون کے خلاف ہماری طویل جدوجہد میں ہمارا ایک حلیف ہے، جو نظام کے لیے اسی طرح ہے جس طرح نظام ہمارے لیے ہے؛ ایک ناقابل تصور حد تک طاقتور، کائناتی اور دیومالائی سطح پر ایک طاقت۔ اس حلیف کے کئی نام ہیں، لیکن ہم یہاں اس کا سب سے غیر متنازعہ اور عام استعمال میں آنے والا نام لیں گے یعنی قدرت۔ قدرت انسان سے کہیں زیادہ مؤثر طور پر تحریک چلاتی ہے، اور وہ، ہماری طرح بات چیت میں وقت نہیں ضائع کرتی۔ قدرت نہ ووٹ ڈالتی ہے نہ احتجاج کرتی ہے، نہ پٹیشن لکھتی ہے نہ یونین بناتی ہے، نہ سخت خطوط لکھتی ہے اور نہ سوشل میڈیا پر مہم چلاتی ہے۔ وہ تو بس دنیا کو آسانی سے بہا لے جانا پسند کرتی ہے۔

نظام کا یہ زعم ہے کہ وہ فطرت کو سمجھتا ہے، کیونکہ وہ قدرت کے ہر قابل پیمائش پہلو کا حساب رکھ سکتا ہے اور ہر قابل بیان جزو کی تشریح کر سکتا ہے۔ نظام کی نظر میں حقیقت محض اشیاء اور واقعات کی خارجی صورت، یا خیالات اور جذبات کی داخلی ہیئت تک محدود ہے۔ چونکہ نظام کو ہر شے ایک مخصوص قالب یا 'شکل' میں ڈھلی دکھائی دیتی ہے، اس لیے اس کے فلسفی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہے، وہی فطری ہے۔ ان کے نزدیک 'غیر فطری' کا لفظ بے معنی ہے، کیونکہ وہ اس 'اصولِ فطرت' کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں جو کسی بھی مادی یا ذہنی شکل سے مقدم ہوتا ہے اور اسے تشکیل دیتا ہے (ہیت سے مقدم ہے اور ہیت پر مشتمل ہے)۔ وہ 'فطری نظم' —— جس پر انارکسٹ معاشرے کی بنیاد رکھنا مقصود ہے —— جو شعور کو بیان کرتی ہے، جو کہ باطنی ہیت (شکل، فارم) سے مقدم ہے اور تناظر، جو خارجی ہیت (شکل) پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ وہی قدرتی اصول ہے جو قدرتی پرندے کو پیدا کرتا ہے اور اسے قدرتی طور پر کسی کیڑے کے ساتھ ردعمل دینے کی رہنمائی کرتا ہے۔ شعور کی کمی اور تناظر سے علیحدگی۔۔ اسے غیر فطری ردعمل دینے کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ وہی ابدی اصول ہے جو پرندے کو تخلیق کرتا ہے اور اسے فطری جبلت کے تحت کسی کیڑے پر جھپٹنے کی رہنمائی کرتا ہے۔

قدرت کی فطری تنظیم کو خود آگاہ ذہن کی گرفت میں لانا محال ہے۔ انسانی ذہن بنیادی طور پر تقسیم کا ایک آلہ ہے، جو ہمیشہ 'یا یہ، یا وہ' کے پیمانے پر سوچتا ہے؛ یہ یا تو لہر کو دیکھتا ہے یا ذرے کو، یا مقام کو دیکھتا ہے یا حرکت کو، یا ترتیب کو دیکھتا ہے یا افراتفری کو۔ مگر فطرت —— انسانی شعور کی مانند —— تضادات کے ملاپ یعنی 'بیک وقت دونوں' کی کیفیت میں موجود ہے۔ وہ ایک ہی لمحے میں لہر بھی ہے اور ذرہ بھی، یہاں بھی ہے اور وہاں بھی، نظم و ضبط بھی ہے اور بے ترتیبی بھی۔ چنانچہ جب کوئی انارکسٹ کسی مروجہ دلیل کے بغیر یہ اعلان کرتا ہے کہ سائنس، فنونِ لطیفہ، زراعت، تعلیم اور شہر سازی جیسے شعبوں پر فطرت کو حاکم ہونا چاہیے، تو مشروط انسانی ذہن فوراً اس پر اعتراض اٹھاتا ہے۔ وہ ذہن جو اپنے ہی تراشیدہ نظام کا اسیر ہے، فطرت کو ایک ایسی 'شے' سمجھ بیٹھتا ہے جو کہیں دور، وحشی، بے قابو اور شوریدہ سر ہے؛ جسے یہاں لانے سے پہلے مسخر کرنا اور ترتیب دینا ضروری ہے۔ یہ تصور کہ فطرت اسی دانش اور حسن سے انسانی معاشرے کو ترتیب دے سکتی ہے جس سے وہ جنگلات کی چھتریوں اور زمین دوز کھمبیوں (Mycelium) کے پیچیدہ جال کو منظم کرتی ہے، منطقی ذہن کے لیے ناقابل فہم اور ناقابل قبول ہے۔

چنانچہ فطرت دنیا کو جو جھٹکا دینے جا رہی ہے، وہ محض روایتی طوفانوں، سیلابوں، قحط یا وباؤں تک محدود نہیں جن کا ذکر ہم اکثر سنتے رہتے ہیں، اور جن کا امکان بھی رہتا ہے؛ اور نہ ہی یہ محض بے گھر افراد کی عالمی لہریں یا کسی ناگزیر خانہ جنگی کا پیش خیمہ ہے۔ درحقیقت، یہ اس عظیم 'اصولِ فطرت' کی انتہا کا اظہار ہے جو اس بظاہر تباہی کے پسِ پشت کارفرما ہے۔ ذہن کی آزادی کے لیے محض پاور لائنز کی تباہی یا حکومتوں کا گرانا کافی نہیں، کیونکہ یہ نظام ہماری روح کی جڑوں تک سرایت کر چکا ہے۔ پیدائش کے لمحے سے ہی فرد کو ایک 'تابعِ نظام' وجود میں ڈھالنے کا عمل شروع کر کے حکم ماننے، مطابقت اختیار کرنے اور سر تسلیم خم کرنے کی تربیت دی جاتی ہے —— خواہ وہ اسکول ہو، دفتر، عدالت، پارلیمنٹ یا وہ مصنوعی دنیا جس میں لوگ آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہے ہیں۔ رہی سہی کسر اس 'نقلی تماشے' (Spectacle) کی لت پوری کر دیتی ہے، جہاں فرد مسلسل پروپیگنڈے کی زد میں رہتا ہے اور ان دلکش ترغیبات کے آگے سپردگی اختیار کر لیتا ہے جو لاشعوری طور پر خود اسی کی نفسیاتی بے چینیوں اور جنون کو مہمیز دینے کے لیے تراشی گئی ہوتی ہیں۔ ایک ایسے ماحول میں جینا جہاں ہر تجربہ کسی نہ کسی واسطے (Mediation) کا مرہونِ منت ہو، جہاں نہ وحشی فطرت کا گزر ہو، نہ براہِ راست سچائی کا سامنا اور نہ جمالیاتی گہرائی کا ادراک —— وہاں حقیقت کو جڑ پکڑنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ اپنی تمام تر ضروریات کے لیے "نظام" پر مکمل انحصار کے نتیجے میں انسانی 'ذات' (Self) رفتہ رفتہ ایک ایسا وجود بن جاتی ہے جو جذباتی طور پر حد سے زیادہ ملوث مگر حقیقت سے دور، نیم تصوراتی، حد درجہ منتشر، تجریدی اور بھوت نما مخلوق ہو۔ ایک ایسا نیم جنونی اور نیم مردہ وجود جو مکمل طور پر نظام کی پیش گوئیوں کی گرفت میں ہو اور حساسیت سے عاری محض نظام کا ایک ضمیمہ بن کر رہ جائے، جس کے پاس اپنی ذات کے حصار سے باہر نکل کر کائنات کو سمجھنے کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ سیلف انا (ایگو) کا روپ دھار لیتی ہے، یعنی ایک ایسا خود-آگاہ ذہنی-جذباتی آلہ (میکانزم) جو نظام کی حقیقت متعین کرنے والے معیارات جذب کر لیتا ہے۔ یہ سیلف نظام کے ایک محدود تصور کے خلاف بغاوت کر سکتا ہے، ہر طرح کی فنکارانہ اور تخلیقی آزادی کا خواب بُن سکتا ہے، اپنی اذیت اور گھٹن کے جواز میں ہر طرح کی دلکش سازش گھڑ سکتا ہے۔۔۔ بلاشبہ اس کا تعطل (بریک ڈاون) ہو سکتا ہے، پاش پاش ہو سکتا ہے، اور بے

شک ہونا بھی چاہیے۔ لیکن جب تک یہ "ایگو سسٹم" ہمارے شعوری تجربے پر حکمرانی کرتا رہے گا، یہ دنیا ہمیں محض ایک روزمرہ کی روایتی اور جامد شکل میں دکھائی دیتی رہے گی۔ ہم اسے اس طرح کبھی نہیں دیکھ پائیں گے جیسی وہ فی الحقیقت ہر لحظہ ہوتی ہے: یعنی ایک کھلی اور لرزہ خیز دعوت، جو روح کی گہرائیوں کو ہلا دینے والے حیرت انگیز انکشافات اور خود کو توڑ کر نئی آزادی حاصل کرنے والی 'نفسیاتی نجات' کی طرف بلاتی ہے۔"

یہ ضروری ہے کہ اس پائیدار مشروطیت کو سمجھا جائے جو نظام اور انا کے درمیان قائم ہے، کیونکہ یہ محض ایک عقلی یقین یا سرکاری و سماجی بیانیے کو قبول کرنے کا معاملہ نہیں ہے (اگرچہ یہ پہلو بھی اس میں شامل ہے)، اور نہ ہی ہم صرف اس امر پر بات کر رہے ہیں کہ سماجی مشروطیت اور گروہی ذہنیت کس طرح نفسیاتی بھوک اور تشویش پیدا کرتی ہے (اگرچہ یہ بھی اس کا حصہ ہے)۔ نظام سے مشروط انا صرف اس فرقے، پیشے یا ریاست کی بے معنی سائنسی یا مذہبی باتوں کی جگالی نہیں کرتی۔۔۔ جن سے کہ اس کا تعلق ہوتا ہے، اور نہ صرف وہ سوچتی، محسوس کرتی یا عمل کرتی ہے جیسے نظام کرتا ہے، بلکہ وہ دیکھتی اور حتیٰ کہ محسوس بھی منظم انداز میں ہی کرتی ہے۔ انسانی ذات مکمل طور پر نظام کی نوآبادی بن چکی ہے۔ وہ طریقہ ہے جس سے نظام—— جو اداروں کی مجرد دنیا اور عالمی دماغ کی پھیلی ہوئی ہائپر دنیا پر مشتمل ہے—— وقت گزرنے کے ساتھ فطرت میں جذب ہوتا محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ ایک ایسی 'تقدیر' اور 'ناگزیر حقیقت' بن جاتی ہے جسے جبر اور استحصال کے باوجود ایک روزمرہ کا معمول سمجھ کر بسر کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی فطری معمول کے برعکس، یہ نظام ہمارے لیے اجنبی ہی رہتا ہے؛ ایک ایسی شے جسے ہم نہ تو درست طور پر محسوس کر سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ خوابوں میں یہ نظام ایک ہیبت ناک اور غیر مرئی خوف بن کر ابھرتا ہے، لیکن بیداری میں ہم اپنی جان پر کھیل کر بھی اس کا دفاع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی آزادی کے لمحات ایک طرح کی 'موت' جیسے محسوس ہوتے ہیں؛ کیونکہ اس وقت ہم نہ صرف بیرونی دنیا کے جبر سے نبرد آزما ہوتے ہیں، بلکہ اپنے اندر اس 'ذات' کو بھی پاش پاش کر رہے ہوتے ہیں جو اس جبر کو قائم رکھتی ہے۔ اسی لیے، بظاہر تضاد محسوس ہونے کے باوجود، آزادی کے تجربات نہ صرف ذہن کو خیرہ اور دل کو پُرجوش کرتے ہیں، بلکہ انسانی وجود کو بیک وقت مسرت، صدمے اور سقوط کا تجربہ بھی کرواتے ہیں۔ انقلابی انکشافات ہمیں یہ دکھاتے ہیں کہ رنگوں، ذائقوں اور شکلوں کی اصل حقیقت کتنی لرزہ خیز ہو سکتی ہے؛ پاؤں کے نیچے زمین کا لمس، زبان پر شکر کی مٹھاس، اور یہ حیرت انگیز ادراک کہ مجسم اشکال کی اپنی ایک خودمختار حقیقت ہوتی ہے، انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

آپ کی ذہنی صحت کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کس حد تک اس دنیا کے مشینی نظام سے آزاد ہو کر زندہ رہتے ہیں۔ جو بھی قدم ہم اس نظام کی رفتار کو سست کرنے، اس کو سمجھنے یا لوگوں کو یہ سمجھانے کے لیے اٹھاتے ہیں کہ یہ نظام دراصل ہے کیا اور کیسے کام کرتا ہے، وہ حقیقی ترقی ہے، یعنی بھلائی کی طرف واپسی۔ ایسی ہڑتالیں جو کسی اصلاح کی بھیک نہ مانگیں۔۔ جیسے کہ امیروں کے گھروں کی صفائی سے انکار، یا ان کا کوڑا کرکٹ نہ اٹھانا، ایسی ڈیجیٹل سرگرمیاں جو ریکارڈ ہی مٹا دیں (جیسا کہ تاریخ میں اکثر کسانوں کی بغاوتوں کا پہلا قدم ہوتا تھا)، باہم مل کر کرایہ یا قرض ادا کرنے سے انکار کرنا، تشریح اور کنٹرول کے نظاموں میں خلل، کمیون قائم کرنا (اور سرگرم گروپوں اور خاص طور پر 'عام جمہوری اسمبلیوں' سے بچنا)، خوش گوار سچ کی ترویج، اور سب سے موثر طریقہ، ان کمزور جگہوں کو تلاش کر کے توڑنا یا بند کرنا جو ہر حد سے بڑھے نظام میں لازماً پیدا ہو جاتی ہیں (مگر براہِ راست ٹکراؤ سے بچتے ہوئے)—— یہ سب واقعی مؤثر اور بامعنی عمل ہیں۔ اسی طرح سائیکل کی مرمت سیکھنا، گاجر کاشت کرنا، شراب کشید کرنا، پناہ گاہ بنانا، کوئلہ بنانا، بین بجانا سیکھنا، اور خوبصورت گرافٹی پینٹ کرنا۔ بھی چھوٹے مگر گہرے انقلابی کام ہیں، حتی کہ ایک پرعزم اور ذہین گروپ بالآخر، صحیح وقت پر، نظام کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ حقیقی طور پر باغیانہ اور نظام شکن اقدامات میں ملوث ہونا، ہمدرد اور باشعور افراد کے لیے کوئی آپشن نہیں ہوتا۔۔ محض ایک اجنبی اور 'غیر-دنیا' میں جینا ہی اُنہیں مجبور کرتا ہے؛ لیکن سب سے وسیع پیمانے پر کی جانے والی بغاوت اور سب سے باریک بینی سے کی گئی تیاری بھی اس وقت نظام کو مکمل طور پر الٹنے یا اس کے قریب الوقوع زوال کا سمجھداری سے جواب دینے کا امکان نہیں رکھتی۔ صرف فطرت ہی یہ کر سکتی ہے۔۔ ذات کا شیرازہ بکھیرنے والا ہماری فطرت کا اصول۔۔

"آپ کی ذہنی صحت کا تمام تر دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ اس مشینی دنیا کے جبر سے کس حد تک خود کو آزاد کر کے جیتے ہیں۔ اس نظام کی مصنوعی رفتار کو سست کرنے، اسے بے نقاب کرنے، یا لوگوں کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لیے ہمارا اٹھایا گیا ہر قدم ہی 'حقیقی ترقی' ہے—— یعنی اپنی اصل بھلائی کی طرف واپسی۔ ایسی ہڑتالیں جن میں اصلاحات کی بھیک نہ مانگی جائے، جیسے اشرافیہ کے گھروں کی صفائی سے انکار یا ان کا کچرا اٹھانے سے گریز یا ایسی ڈیجیٹل مزاحمت جو ریکارڈ ہی مٹا دے (جیسا کہ ماضی میں کسانوں کی بغاوت کا پہلا قدم ریکارڈ جلا دینا ہوتا تھا)، مل کر کرایہ یا قرض ادا کرنے سے انکار، کنٹرول کے نظاموں میں خلل ڈالنا، اپنی چھوٹی اور آزاد بستیاں (Communes) بسانا (اور سیاسی گروہوں یا نام نہاد 'عوامی جمہوری اسمبلیوں' کے جال سے بچنا)، خوش گوار سچائیوں کی تشہیر، اور سب سے بڑھ کر ان کمزور کڑیوں کو ڈھونڈ کر حملہ آور ہونا (مگر براہِ راست ٹکراؤ سے بچتے ہوئے) جو ہر پیچیدہ نظام میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں—— یہ سب نہایت مؤثر اور بامعنی اقدامات ہیں۔ اسی طرح سائیکل کی مرمت سیکھنا، اپنی غذا خود اگانا، مشروب کشید کرنا، پناہ گاہ بنانا، ایندھن تیار کرنا، موسیقی سیکھنا، اور دیواروں پر باغیانہ فن پارے (Graffiti) تخلیق کرنا بھی بظاہر چھوٹے مگر گہرے انقلابی کام ہیں۔ ایک پرعزم اور ذہین گروہ بالآخر صحیح وقت پر اس فرسودہ نظام کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ باغیانہ اور نظام شکن اقدامات میں ملوث ہونا، ہمدرد اور باشعور افراد کے لیے کوئی انتخاب نہیں ہوتا۔۔ محض ایک اجنبی اور 'غیر-دنیا' میں جینا ہی اُنہیں مجبور کرتا ہے؛ تاہم، یہ یاد رہے کہ وسیع ترین بغاوت اور باریک ترین تیاری بھی شاید اس نظام کو جڑ سے اکھاڑنے یا اس کے قریب الوقوع زوال کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہ ہو۔ یہ کام صرف 'فطرت' ہی کر سکتی ہے—— ذات کا شیرازہ بکھیرنے والا ہماری فطرت کا اصول۔

بالآخر یہی واحد راستہ ہے کہ اس خود مطلع ذات (سیلف انفارمڈ) ہی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے؛ یعنی اُس خود مطلع ذات کو—— اُس 'انا' کو—— جو اس نظام کو پیدا کرتی ہے اور نگرانی کرتی ہے، خود اسے ختم کیا جائے۔ جب زیادہ لوگ یہ احساس کرنا، اس کو جینا اور اپنی اصل فطرت کا اظہار کرنا سیکھیں گے۔۔۔ ایک ایسا واقعہ جسے نظام میں جڑے انا۔زدہ (ایگوائیڈ) لوگ لازمی طور پر نرگسیت کہتے ہوئے رد کر دیں گے۔۔۔ ایک غیر مرکزی، غیر جمہوری، غیر رسمی، انحراف پسندی پر مبنی اجتماع جب وہ آزادانہ طور پر ایک ساتھ کام کریں گے، تو یہ طاقت ناگزیر طور پر نظام کو توڑ دے گی، جیسے وہ ماضی میں کئی بار کر چکی ہے۔ لیکن یہ 'منحرفانہ اندرونی انقلاب' اصل میں ہے کیا؟ یہ حیرت انگیز حد تک سادہ ہے، مگر ایک روایتی اور محدود ذہن کے لیے کسی غیر معمولی داستان کی طرح عجیب، ہیبت ناک اور طلسماتی ہے۔ اس موضوع پر مکمل روشنی ڈالنے کے لیے ایک الگ کتاب درکار ہے، جس کا احاطہ میں اپنی تصنیف 'انا کے ۱۳۳ افسانے' میں کروں گا۔

ساتواں اعتراض: انارکیت پاگل پن کا دوسرا نام ہے؟

بہت سے لوگ سیاست کو مکمل طور پر رد کر دیتے ہیں؛ وہ کبھی خبریں نہیں پڑھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ 'سیاست' کے زمرے میں آنے والے موضوعات—— جیسے امیگریشن، حکومت، زر، سماجی طبقات یا ملازمت—— پر بات کرنا فضول ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب پہلے سے طے شدہ یا بے معنی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک 'انارکسٹ' نقطہ نظر ہے۔ اگر ہم انسانی تجربے کے آغاز سے دیکھیں تو تاریخ میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ رہے ہیں جنہیں ان

معاملات سے کوئی واسطہ نہیں رہا جسے آج 'سیاست' یا 'ریاست' کہا جاتا ہے؛ یعنی ایک ایسی پیشہ ورانہ اتھارٹی جس کا کام جنگ وجدل، ٹیکسوں کی وصولی یا خبروں اور ٹیکنالوجی پر کنٹرول ہو۔ ان میں ابتدائی شکاری معاشرے، بچے، جانور، پودے اور کائنات کی دیگر غیر انسانی اشیاء شامل ہیں۔ یہ سب اپنے فطری وجود میں 'انارکسٹ' ہیں۔

کچھ لوگ ـــــ جو تعداد میں کم لیکن اپنے اثر ورسوخ میں بے حد وسیع ہیں ـــــ ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے اپنے ہم عصروں کی اخلاقی، ذہنی یا سماجی اتھارٹی کو مسترد کیا اور آزادی کے ساتھ اپنے شعوری تجربے کی گہرائیوں میں غوطہ زن رہے۔ ہم ایسے لوگوں کو عظیم فنکار اور سائنسدان کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سیاسی طور پر انارکسٹ نہ ہوں اور ان کا کام بہت سنجیدہ اور منظم ہو، لیکن اپنے کام کے تئیں ان کا رویہ ـــــ جیسا کہ پال فیرابینڈ (Paul Feyerabend) نے واضح کیا ہے ـــــ انتہائی آزادانہ ہوتا ہے۔ ہم اکثر ان کے کام کو بھی انارکی سے تعبیر کرتے ہیں؛ جیسے مونٹی پائتھن کی مزاحیہ تخلیقات، امیر کوستوریکا کی فلمیں، جیدو کرشنا مورتی کا فلسفہ، صوفیانہ کہانیاں، جان کیج کی موسیقی، یا ٹومی اونگیرر کی تصویریں۔ کوئی بھی ایسا منحرفانہ رویہ جو مروجہ اختیار کی مکمل نفی کرے اور ہماری اصل وفطری جبلتوں کو برانگیخت کرے، وہ انارکیت ہی کی ایک شکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی عظیم شخصیات اس کی طرف مائل رہی ہیں۔ جارجس براسنز، پی بی شیلے، ولیم بلیک، مارک رتھکو، جے آر آر ٹولکین، لاؤزو، حضرت عیسیٰؑ، لڈوگ وٹگنسٹائن، لیوٹالسٹائی، البرٹ آئن سٹائن اور گاندھی ـــــ ان سب نے اپنی زندگیوں میں یہ محسوس کیا کہ خارجی پابندیوں سے انکار ہی علم کو آگے بڑھانے، ہم آہنگی کے ساتھ رہنے، ایمانداری سے جینے یا حقیقی خوشی حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔

اس "رد" کو عام طور پر ایک قسم کی منفیت یا دیوانگی سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلاشبہ حقیقت بھی یہی ہے۔ انارکیت کی تشریح بھی، غلط تفہیم کا شکار ایک دوسرے تصور معدومیت پسندی کی طرح زیادہ تر اس حوالے سے کی جاتی ہے، حالانکہ یہ ہرگز وہ نہیں ہے۔ لیکن زندگی، جس کو انارکسٹ اور معدومیت پسند دونوں ہی مقدس سمجھتے ہیں۔۔۔ دراصل کسی لگی بندھی تعریف کی محتاج نہیں۔ حقیقت، جس کا ادراک ہم سب کو کبھی نہ کبھی ہوتا ہے، ہماری توقعات سے کہیں زیادہ غیر مانوس، متوازن اور لچکدار ہوتی ہے۔

انارکیت، اصطلاح کے بہترین معنوں میں، اپنی تعریف کے خلاف مزاحمت کرتی ہے کیونکہ اس کا دعویٰ ہے کہ بذات خود ذہانت ہی، ایک واحد اثاثے کی صورت میں حیاتِ انسانی ہے، ہم میں سے ہر فرد کی شعوری زندگانی۔ چنانچہ افراد کو ضرورت نہیں ہوتی کہ بادشاہ، شہزادے، ریاست،، پیشہ ور لوگ، ادارے یا نظام۔ اُن پر حکمرانی کریں۔ کیونکہ ان کے اندر موجود زندگی زیادہ ذہین، زیادہ موزوں، زیادہ حساس، زیادہ معاف کرنے والی اور زیادہ تخلیقی ہے، یقینی طور پر کسی بھی انسانی اتھارٹی سے کہیں زیادہ۔ زندگی کو محض عقلی تصورات یا فارمولوں میں مقید (Fix) نہیں کیا جاسکتا؛ اس کا اظہار تو فنکارانہ انداز میں، بالواسطہ طور پر شاعری، موسیقی، آہنگ اور بصیرت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسے انسانی تعامل کے جملہ فنون کے ذریعے محسوس تو کیا جاسکتا ہے، لیکن بے لچک ضابطوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انارکسٹوں کے خیالات، جہاں تک براہِ راست بیانات کا تعلق ہے، اکثر 'منفی' (انکار کی) شکل میں ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر اسے اکثر و بیشتر 'معدومیت' سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ لوگ ہر شے کے مخالف ہیں۔

انارکیت پر 'معدومیت' (Nihilism) کا الزام اس لیے بھی لگایا جاتا ہے کہ اجتماعی مسائل کے حل کے لیے یہ نہ تو سوشلزم کا راستہ اپناتا ہے اور نہ ہی سرمایہ داری کا۔ اس الزام کا پسِ منظر کچھ یوں ہے: "چونکہ تم ہماری ٹیم (کمیونزم، سوشلزم، سرمایہ داری، نسائیت، قومیت یا منڈی وغیرہ) کو نشانہ بنا رہے ہو، اس کا مطلب ہے کہ تم کسی بھی چیز پر یقین نہیں رکھتے! دوسری صورت میں، ریاستی ڈھانچہ (خواہ وہ سرکاری ادارے ہوں یا کارپوریٹ نظام) اور اسے چلانے کے سوشلسٹ اصلاحی منصوبے ہی لوگوں کے نزدیک کل کائنات ہیں۔ ان کے نزدیک اس نظام سے باہر جو کچھ بھی ہے وہ 'معدومیت' ہے (کیونکہ ان کے لیے سسٹم ہی کائنات ہے)، وہ 'پاگل پن' ہے (کیونکہ سسٹم ہی عقلِ سلیم کا پیمانہ ہے)، یا پھر وہ 'غیر حقیقی' ہے (کیونکہ حقیقت صرف وہی ہے جس ڈھب پر معاملات چل رہے ہیں اور جس طرح لوگ صدیوں سے زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں)۔ یہ سوچ دراصل ایک سدھائی ہوئی خودکاریت (ڈومیسٹیکیشن) کا دوسرا نام ہے جو لاشعوری طور پر خود کو ٹیکنالوجیکل ریاستی نظام (خواہ وہ کارپوریٹ ہو یا جاگیردارانہ) کی ابدی لونڈی بنا چکی ہے۔ چنانچہ اس نظام کی مخالفت کرتے ہی آپ فطری طور پر غیر حقیقت پسند، دیوانے اور معدومیت پسند فرد قرار دے دیے جاتے ہیں۔

موجودہ دنیا ایک ایسے 'انا پرست "ذہن کی تخلیق کردہ ہے جس کا ہم پر مکمل غلبہ ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ہمیں نظام کی ضرورت نہیں، یہ بات فطری طور پر اس ذہن کو ہی دیوانگی محسوس ہوتی ہے۔ جب یہ سوال کیا جائے کہ "پھر ہمیں کیا چاہیے؟" تو انارکسٹ جو جواب دیتے ہیں وہ مروجہ عقل کو لایعنی لگتے ہیں، کیونکہ انا پرست ذہن ان تصورات کو سمجھنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ یہی وہ 'نظریاتی الجھاؤ' ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ، جو اپنی عملی زندگی کے بیشتر معاملات میں انارکسٹ (خود مختار) ہوتے ہیں، خود کو انارکسٹ کہلوانے سے کتراتے ہیں۔ جب وہ سیاست یا ثقافت پر غور کرتے ہیں، تو انہیں صرف وہی نظریات نظر آتے ہیں جو نظام کے اندر موجود ہیں: جیسے سرمایہ داری، سوشلزم، مسیحیت، انسانیت پسندی یا نسائیت یا پھر کسی اور سسٹم کا نظریہ، لہذا جب وہ انارکیت پر غور کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں وہی خیالات آتے ہیں جن کی پرورش نظام کرتا ہے؛ انارکیت انہیں غیر انسانی، بے ترتیب، پُر تشدد، لوکل، غیر حقیقی، غیر مہذب یا جنوں محسوس ہوتی ہے۔

اور پھر بھی زندگی خود انارکی ہے، اور اس کے اندر کی ہر اچھی چیز بھی، جن میں آپ بھی شامل ہیں۔ اپنے دوستوں، اپنی محبت کی زندگی، فطرت کے ساتھ اپنے رویے، اور اپنی تخلیقی زندگی (اگر آپ کی ہے) پر نظر ڈالیں۔ دوسرے الفاظ میں، آپ مرکزی طاقت اور کنٹرول کے جابرانہ نظاموں سے آزاد ہو کر کیسے برتاؤ کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنے قریب ترین رشتے جبری اصولوں پر قائم کرتے ہیں؟ کیا آپ دوستوں کے ساتھ باہر جاتے وقت ووٹنگ پر انحصار کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنے خاندان کے ساتھ قوانین لکھتے اور سختی سے نافذ کرتے ہیں؟ کیا آپ محبت کی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے پہلے باضابطہ منظوری کا انتظار کرتے ہیں؟ کیا آپ کی قدرتی زندگی میں کچھ سوشلسٹ ہے؟ کیا آپ جمہوری انداز میں تخلیق کرتے ہیں، کھیلتے ہیں اور مل کر کام کرتے ہیں؟ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھار 'ہاتھ اٹھا کر رائے لی جاتی ہو، لیکن ذاتی اور اجتماعی زندگی کی سب سے فراخ دل، ذہین اور خوش گوار سرگرمیاں بغیر کسی غلبے کے انجام دی جاتی ہیں۔ یہ انتہائی پُراسرار طریقے سے، قدرتی طور پر برجستگی سے جاری رہتیں ہیں، آزادی کے ساتھ۔

اسی لیے انارکیت ایک ایسی جبلت ہے جو معدوم نہیں ہوگی۔ فطرت انارکسٹ ہے، بچے انارکسٹ ہیں، آزاد، تخلیقی ذہن انارکسٹ ہوتا ہے، انسانیت کے تمام محبوب پیش رو کسی نہ کسی حد انارکسٹ تھے۔ تمام تر انسانی معاشرہ۔۔ کارپوریٹ ریاست کے بہت چھوٹے دائرے کے سوا۔۔ ہمیشہ انارکسٹ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ چاہے وہ شکاری قبائل ہوں، دوست، عاشق یا سب سے زیادہ مؤثر ترین کام کرنے والے گروہ ہوں۔ ہم انارکسٹ ہیں۔

آپ کے پاس انتخاب، انارکیت اور انارکیت کے درمیان ہے۔

آج کے دور میں ایک آزاد انارکسٹ معاشرہ کیسا نظر آسکتا ہے؟ تصور کریں کہ اگر ہم ریاست اور اس کے تمام قوانین کو ختم کر دیں، اپنے اداروں اور کمپنیوں کو توڑ دیں، اسکول کی حاضری اختیاری بنا دیں، جیلوں کے دروازے کھول دیں، تعلیمی اسناد اور پیشہ ورانہ سرٹیفکیشن ختم کر دیں، ہر کسی کو پیشہ ورانہ طور پر محفوظ وسائل تک رسائی دے دیں، تمام قرضے معاف کر دیں، پولیس، فوج، جدید صنعتی ٹیکنالوجی، پیسہ، بینک اور نجی جائیداد ختم کر دیں۔ مختصر یہ کہ ہم یوں زندگی بسر کریں جیسے وہ دن آچکا ہو۔ دکھائی یہ دیتا ہے جیسے اس طرح کی صورتحال کا نتیجہ ناقابلِ یقین کیاس اور تکالیف کی صورت میں برآمد ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آسودگی کے چند ایک جزیروں کو چھوڑ کر دنیا پہلے ہی ناقابل یقین کیاس اور مصائب کا شکار ہے، مگر یہ اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جلد ہی ایک حادثہ ہوگا جس کے نتیجے میں سب کچھ ہو جائے گا۔ ہمارے پاس انتخاب ہے کہ یا تو ہم اس طرح کا حادثہ برداشت کریں یا خود کو منظم کریں۔ دونوں صورتوں میں حالات سنگین ہوں گے، مگر مجھے معلوم ہے کہ میں کس کو ترجیح دیتا ہوں۔

یہ تحریر ڈیرن ایلن کی کتاب "نظام کے تینتیس فسانے" سے لی گئی ہے۔

پانچواں ترجمہ

انارکیت کا بدھ متی تصور

مصنف: ایان میس

تعارفی نوٹ

اگرچہ انارکیت اپنی روح میں **لاادریت** سے متاثر ایک تحریک ہے، تاہم تاریخ میں ہمیشہ ہی مذہبی انارکیت کے توانا دھارے موجود رہے ہیں۔ اس ضمن میں 'مسیحی انارکیت' کو ایک اہم مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جس کی ایک درخشاں مثال معروف روسی مفکر اور ادیب **لیو ٹالسٹائی** ہیں۔

بیسویں صدی میں دیگر مذاہب کے اندر بھی ایسی کوششیں کی گئیں کہ مذہب اور انارکیت کے مابین اشتراک کے پہلو تلاش کیے جاسکیں۔ اس تناظر میں بدھ مت ایک اہم حوالے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ چونکہ زیرِ نظر انتخاب کا مقصد انارکیت کے اساسی تصورات کا مؤثر ابلاغ ہے، للٰذا ایان میس کی اس تحریر کو اس مجموعے کا حصہ بنانا ضروری سمجھا گیا۔

ایان میس کا مضمون بدھ مت کی اخلاقیات اور انارکیت کے اصولوں کے مابین ایک مضبوط فکری ربط قائم کرتا ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ عدمِ اقتدار، عدمِ تشدد اور باہمی انحصار جیسے تصورات دونوں نظاموں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تحریر ایک ایسے سماجی ڈھانچے کا خاکہ پیش کرتی ہے جہاں 'داخلی تطہیر' اور 'خارجی آزادی' یکجا ہو جاتے ہیں؛ یوں یہ مضمون روحانیت اور سیاست کے امتزاج کی ایک وقیع کاوش بن جاتا ہے۔

تاہم، یہاں یہ باور کروانا ناگزیر ہے کہ انارکیت محض انفرادی نجات یا شخصی اخلاقیات تک محدود کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ اس کا اصل محور نظامِ زندگی کا **کلی** بگاڑ ہے اور اس کا مجوزہ حل بھی اجتماعی تبدیلی پر مبنی ہے۔ انارکیت صرف فرد کی داخلی آزادی کی بات نہیں کرتی، بلکہ یہ مروجہ نظام کے خاتمے اور ایک نئے غیر طبقاتی معاشرے کی تشکیل کے لیے اجتماعی تدبیر اور انقلابی جدوجہد پر اصرار کرتی ہے۔

یہ تحریر سنہ 2014 میں شائع ہوئی تھی۔

مترجم

انارکیت کا بدھ متی تصور

میں بدھ متی انارکیت کو دو بنیادی وجوہات کی بنا پر اہم سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک بدھ مت کی اصل روح انسان کی ذاتی نجات ہے—یعنی غیر ضروری دکھ اور اذیت سے آزادی۔ جبکہ انارکیت کا بنیادی مقصد دنیا کو، ایک عمیق سماجی و سیاسی تبدیلی کے ذریعے، غیر ضروری درد و تکلیف سے آزاد کرانا ہے۔ یہ تمام غیر ضروری دکھ اور مصائب دراصل ہم خود ہی پیدا کرتے ہیں۔

دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ درد یا تکلیف عموماً ایک جسمانی یا "بیرونی" امر ہے، جیسا کہ ہم عام طور پر درد سے مفہوم لیتے ہیں۔ البتہ جذباتی درد بھی موجود ہے۔۔۔ جیسے کسی عزیز کے بچھڑنے کا غم۔ مگر کرب وہ خاص اذیت ہے جو اس خیال سے جنم لیتی ہے کہ کوئی خاص بات یا واقعہ نہیں ہونا چاہیے جو کہ وقوع پذیر ہو رہا ہوتا ہے، یا پھر ہونا چاہیے لیکن نہیں ہو رہا ہوتا۔ یہی سوچ پہلے سے موجود درد کو ایک اور قسم کی اذیت میں بدل دیتی ہے—ایک زیادہ گہری اذیت، یہی کرب ہے۔ کرب دراصل ہمارے ذہنی رویوں کا نتیجہ ہے—یہ اس پر منحصر ہے کہ ہم اپنی توجہ کہاں مرکوز کرتے ہیں، اور کن باتوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں۔ درد تو زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ تاہم انسان نے دنیا کو منظم کرنے کے لیے جن سماجی ڈھانچوں اور اداروں کا انتخاب کیا ہے، وہ لوگوں کے لیے ضرورت سے کہیں زیادہ. تکلیف کی وجہ بنتے ہیں۔ ایک *بدھ متی انارکیت* ایسی دنیا کا تصور پیش کرے گی جہاں انسانی ذہن سے غیر ضروری کرب کا خاتمہ ہو، اور سماج سے غیر ضروری درد کا—تاکہ زندگی زیادہ شادمانی اور قدر و محبت سے بھرپور ہو سکے۔

میں بدھ متی انارکیت کو اس لیے بھی اہم سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں فلسفے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ انفرادی اور سیاسی، نفسیاتی اور سماجی—دونوں سطحوں پر آزادی کے امتزاج کا نام ہے۔ لہذا یہ مکمل آزادی کا فلسفہ ہے—فرد کی نجی سطح پر اور سماج کی بیرونی سطح پر بھی

انارکیت کا فلسفہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسانوں میں ایک واضح شعوری تبدیلی لازمی ہے۔ اگر ہم ایک ایسی دنیا چاہتے ہیں جو غلبے، ملکیت، اور اتھارٹی سے پاک ہو، تو ہمیں ایک ایسے معاشرتی شعور کی ضرورت ہو گی جس میں باہمی شفقت، توجہ، ہمدردی اور لچک ہو۔ تاہم، انارکیت کی تحریروں میں اس شعوری تبدیلی کی نوعیت پر کم ہی وضاحت ملتی ہے، اور یہ بھی شاذ ہی بتایا جاتا ہے کہ انسان اس ذہنی و روحانی تبدیلی کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔

اسی نقطۂ نظر کا دوسرا پہلو (عملی بدھ مت) سے جڑا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اکثر بدھ مت کی عملی شکل دنیا سے فرار کا ذریعہ بن جاتی ہے—لوگ دوسروں کے دکھوں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ناانصافی کے نظاموں کا لاشعوری طور پر حصہ بن جاتے ہیں۔ اگر واقعی کوئی شخص تمام جانداروں کی آزادی چاہتا ہے، تو اسے لازماً سماجی سطح پر سرگرم ہو کر ان مظالم کے خاتمے کے لیے کوشاں ہونا چاہیے۔

وقت گزر گیا۔

میری پچھلی تحریر کے بعد کئی ماہ گزر چکے ہیں۔ اس دوران مجھے مختلف آراء موصول ہوئیں، اور میں نے اس موضوع پر مزید غور کیا۔ ایک بات جو میرے ذہن میں نمایاں ہوئی وہ یہ ہے کہ "بدھ متی انارکیت" کے عنوان سے ابھی تک کوئی جامع اور منظم فلسفہ موجود نہیں۔ مختلف لوگوں نے اپنے طور پر اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے، کئی مضامین، بلاگ، آڈیو اور ویڈیو مواد سامنے آیا ہے، لیکن ابھی تک اس حوالے سے کوئی واضح فکری روایت یا "نسل" قائم نہیں ہوئی۔

یہ اصطلاح سب سے پہلے 1961ء میں *گیری سنائیڈر* نے اپنے مضمون میں استعمال کی تھی۔ چونکہ سنائیڈر ابھی زندہ ہیں، اس لیے ہم اب بھی بدھ متی انارکیت کے *پہلی نسل* کے دور میں ہیں۔ یہ ایک ابتدائی اور تشکیل پاتی ہوئی فکر ہے، لہٰذا ہم سب کو موقع حاصل ہے کہ اس فلسفے کی تعبیر و تشریح اپنی رائے کے مطابق کر سکتے ہیں۔ میں بھی چند نکات کے ذریعے اپنا تصورِ بدھ متی انارکیت پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن اس بار اپنی پچھلی تحریر کی بجائے—بدھ مت کی بنیادی تعلیمات سے زیادہ قریب رہتے ہوئے۔

ایک ضروری وضاحت

سب سے پہلے میں یہ واضح کر دوں کہ میری مراد بدھ متی انارکیت سے وہ سیاسی یا مذہبی نظام نہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں جبر، توہم پرستی یا مردانہ غلبے کی علامت ہیں اور بدھ مت کے نام سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ جس ''بدھ مت'' سے میری مراد ہے، وہ بدھ فلسفے کے خالص فکری و اخلاقی اصول ہیں۔ وہ تمام بدھ متی روایات جو انارکیت کے نظریات سے بنیادی طور پر متصادم ہیں، میری نظر میں بدھ متی انارکیت کا حصہ نہیں۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ بدھ مت کے اندر مختلف مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں، جیسے انارکیت کے اندر بھی ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے امتزاج سے بدھ متی انارکیت کی کئی مختلف صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ میرا اپنا نظریاتی پس منظر *وپسنا (بصیرت) مراقبہ* سے جڑا ہے، جو ''*تھیرا وادا*'' بدھ مت کی روایت سے نکلتا ہے، اور *انارکو-کمیونزم* کے قریب، جس کی بنیاد روسی *مفکر پیٹر کروپوٹکن* کے خیالات پر ہے۔

بنیادی اجزاء

اگرچہ بدھ مت میں مکاتبِ فکر کا ایک وسیع تنوع موجود ہے، لیکن کچھ بنیادی اصول ایسے ہیں جو تمام بدھ متی روایتوں میں مشترک ہیں۔ انہی بنیادی نکات میں مجھے انارکیت سے گہری مماثلتیں اور ربط نظر آتا ہے۔ چلیے ابتدا کرتے ہیں *چار اعلیٰ حقائق* سے۔

بدھ مت کے چار عظیم حقائق اور انارکیت

بدھ مت کی پہلی عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ ہر جگہ موجود ہے۔ جہاں بھی نگاہ ڈالو، تمہیں انسان دکھ اور مصیبت کی کسی نہ کسی صورت میں مبتلا نظر آئیں گے۔ یہ حقیقت انارکیت کے فلسفے سے گہرا تعلق رکھتی ہے، کیونکہ انارکزم بھی یہی کہتا ہے کہ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ اپنی ساخت اور ترتیب میں بنیادی طور پر فاسد، ظالمانہ اور زندگی کے خلاف ہے۔ انارکیت کے ماننے والے ہر جگہ ایک مشترکہ احساس رکھتے ہیں—وہ دنیا کو دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ یہ سماج اپنی بنیاد میں ہی زندگی کا دشمن، غیر انسانی اور مسخ شدہ ہے۔ دنیا جیسی ہمیں وراثت میں ملی ہے، دراصل اندر سے بوسیدہ اور بگڑی ہوئی ہے۔

بدھ مت کی دوسری عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ کا ایک سبب ہے۔ وہ سبب ہے خواہش، نفرت اور جہالت۔ یعنی کچھ حاصل کرنے کی شدتِ خواہش، کسی چیز سے نفرت یا اس سے گریز کی کوشش، اور زندگی کو جیسا ہے ویسا قبول کرنے سے انکار—یہی وہ تین جڑیں ہیں جن سے دُکھ جنم لیتا ہے۔ یہ بھی انارکزم کے تجزیے سے میل کھاتی بات ہے، کیونکہ انارکزم کے نزدیک دنیا کی بدعنوانی، استحصال اور جبر کی جڑیں بھی انہی اصولوں میں پیوست ہیں—یعنی ریاست، سرمایہ داری اور ان سب کے نیچے موجود وہی غلبے کی خواہش۔ غلبہ دراصل اسی خواہش اور نفرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اقتدار کی چوٹی پر بیٹھے لوگ سب کچھ اپنی مرضی سے چاہنے لگتے ہیں، چاہے اس کے لیے دوسروں کو روندنا ہی کیوں نہ پڑے، اور وہ کسی دوسرے ممکنہ راستے کو برداشت نہیں کرتے۔

انارکیت کے پیروکار سماج میں پھیلی ہوئی جہالت کو بھی ایک بنیادی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ معاشرے کے اکثر افراد اپنی زندگیوں کو ان ناانصافیوں اور ظلم کے پہاڑوں سے اوجھل رکھ کر، معمولی تفریح، سطحی مشاغل اور لاحاصل مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہی اجتماعی غفلت اور توجہ کی گمراہی وہ قوت ہے جو ظلم کو زندہ رکھتی ہے—جتنا انسان حقیقت سے منہ موڑتا ہے، اتنا ہی جبر قائم رہتا ہے۔

بدھ مت کی تیسری عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ انسان اپنے اندر ایک نفسی و روحانی حالت پیدا کر سکتا ہے جسے نروان یا اجالا (روشن ضمیری) کہا جاتا ہے، اور یہ کیفیت محض فرد کی اپنی جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مقابل انارکزم کا تصور ایک نئے یوٹوپیائی سماج کا ہے—ایسا سماج جہاں نہ ریاست ہو نہ سرمایہ داری، نہ غلبہ ہو نہ مراتب، بلکہ جہاں آزاد انسان برابری کی بنیاد پر براہِ راست خود منظم ہو کر دنیا کے وسائل سب کے لیے یکساں بانٹیں۔ جیسے بدھ مت کہتا ہے کہ فرد اپنی کوشش سے نروان حاصل کر سکتا ہے، ویسے ہی انارکزم کہتا ہے کہ انسان اجتماعی کوشش سے ایک بالکل نئی، آزاد اور غیر مرکزی دنیا تخلیق کر سکتا ہے۔

بدھ مت کی چوتھی عظیم سچائی یہ ہے کہ نجات کی راہ موجود ہے—نروان تک پہنچنے کا ایک واضح راستہ، جسے آٹھ گنا راستہ (نوبل ایٹ فولڈ پاتھ) کہا جاتا ہے۔ اس کے ہر جز پر یہاں تفصیل سے بات ممکن نہیں، مگر اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ راستہ تین بڑے خانوں میں منقسم ہے: اخلاق (صلہ)، ذہنی ضبط (سمادھی)، اور تجربی بصیرت (پرَنّہ)۔ انارکزم بھی اپنے اندر اسی طرح ایک عملی راہِ عمل رکھتا ہے جس میں سماجی انقلاب کی تکمیل کے لیے تین بنیادی اجزاء شامل ہیں: پریفیگریٹو سیاست (یعنی مستقبل کے سماج کی عملی مشق)، خود تنظیم، اور براہِ راست عمل

بدھ مت کے اخلاقی تصور صلہ کی بنیاد دراصل اس اصول پر ہے کہ انسان کو ایسے اقوال یا افعال سے پرہیز کرنا چاہیے جو دوسروں کو نقصان پہنچائیں، اور اس کے برعکس، ایسے اقوال و افعال اختیار کرنے چاہئیں جو دوسروں کے لیے مفید ہوں۔ اس خیال کے پیچھے یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ جب ہم کسی دوسرے کو اذیت دیتے ہیں تو ہم دراصل خود اپنی روح اور اپنے ذہن کو بھی مجروح کرتے ہیں۔ میں بدھ متی اخلاقیات کو انارکیت کے اُس نظریے سے ہم آہنگ پاتا ہوں جسے "*پری فیگریٹیو پولیٹکس*" کہا جاتا ہے—یعنی یہ کہ انسان کی موجودہ زندگی، اس کے عمل اور اس کے منصوبے اسی طرزِ دنیا کی جھلک پیش کریں جسے وہ مستقبل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، "وہی تبدیلی بن جاؤ جو تم دنیا میں دیکھنا چاہتے ہو۔" انارکیت کی اخلاقیات کا جوہر، اگر اس کو عملی سطح پر دیکھا جائے، ایسے تعلقات میں ظاہر ہوتا ہے جہاں ہر فرد کی خود مختاری کا احترام کیا جائے، کسی پر جبر نہ ہو، اور سب کی ضروریات کو یکساں اہمیت دی جائے۔ یہ سب مل کر اس بات کا مفہوم پیش کرتے ہیں کہ انسان کے اعمال اور منصوبے صرف اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے فائدے کے لیے بھی ہوں، اور یہ عمل صرف حال کے لیے نہیں بلکہ ایک بہتر مستقبل کی خاطر انجام پائیں۔

ذہن پر عبور—سمادھی

اپنے ذہن پر عبور حاصل کرنا یعنی *سمادھی* اس بات کا فن ہے کہ انسان یہ صلاحیت پیدا کرے کہ وہ جب چاہے اپنے خیالات کو قابو میں رکھ سکے، اپنی توجہ جہاں چاہے مرکوز کر سکے، اور واضح طور پر فیصلے کرتے ہوئے، ان پر عمل کر سکے۔ مراقبہ دراصل اسی ذہنی مہارت کو پروان چڑھانے کی ایک عملی مشق ہے۔ میں *سمادھی* کو انارکیت کے اصول *خود تنظیمی* کے ہم معنی دیکھتا ہوں—یعنی جب لوگ بغیر کسی بالادست ادارے یا اختیار کے، براہِ راست اور جمہوری طور پر اپنے معاملات خود منظم کرتے ہیں۔ یہ دونوں مظاہر—فرد کی سطح پر سمادھی اور اجتماعی سطح پر خود تنظیمی—ایک ہی باطنی اصول کی مختلف صورتیں ہیں۔ جس طرح ایک شخص کو اپنے ذہن پر قابو پانے کے لیے وضاحت، ضبط اور یکسوئی درکار ہے، اسی طرح ایک آزاد گروہ کو بھی اجتماعی بقا اور ترقی کے لیے انہی اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ دونوں سطحوں پر یہ "خود نظم و ضبط" کی روح ہے—ایک اندرونی، دوسری سماجی۔

تجربی حکمت—پنّیا

پنّیا یعنی تجرباتی حکمت، وجود کی حقیقت کو براہِ راست اور ذاتی طور پر سمجھنے کا نام ہے۔ یہ ایسی بصیرت ہے جو کتابوں یا تحریروں سے حاصل نہیں کی جا سکتی—بلکہ الفاظ اس کی مکمل ترجمانی بھی نہیں کر سکتے۔ اسے جینا پڑتا ہے تاکہ اسے سمجھا جا سکے۔ میں پنّیا کو انارکیت کے اصول *براہِ راست عمل* سے مماثل پاتا ہوں—یعنی انسان اپنی ضرورتیں خود پوری کرے اور تبدیلیاں خود پیدا کرے، بغیر اس کے کہ کسی اتھارٹی سے اجازت لے۔ ان دونوں کا باہمی تعلق اس حقیقت میں ہے کہ براہِ راست عمل کے تجربے میں جو شعور پیدا ہوتا ہے، وہ کسی نظری گفتگو یا تحریر سے کہیں زیادہ گہرا اور بیدار کن ہوتا ہے۔ جس طرح *پنّیا* انسان کے باطن میں ایک بنیادی تبدیلی لاتا ہے، اسی طرح براہِ راست عمل بھی فرد اور معاشرے میں گہری روحانی و فکری تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ دونوں سطحوں پر یہ تبدیلی تجربے سے *حاصل شدہ بصیرت* کی ہے—محض نظری علم کی نہیں۔ براہِ راست عمل اقتدار کے طلسم کو توڑتا ہے، اور *پنّیا* تمام فریبوں اور اوہام کو۔ جب انسان اپنے تجربے سے یہ دیکھتا ہے کہ اختیار کے بغیر بھی کام ہو سکتے ہیں، تو اسے سمجھ آتی ہے کہ ''اتھارٹی'' دراصل ایک خیالی ڈھانچہ ہے۔ اور جب وہ الفاظ سے ماورا سچائی کو محسوس کرتا ہے، تو الفاظ کی کمزوری عیاں ہو جاتی ہے۔

وجود کی تین علامتیں—نئے وجود کی نشانیاں

بدھ مت کے نزدیک کائنات کے فطری وجود کی تین بنیادی علامتیں ہیں: *انیچّا* یعنی ناپائیداری، *دُکھا* یعنی دکھ، اور *اناتّا* یعنی بے خودی یا لا-ذات۔ ان تینوں تصورات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر ایک اپنی نوعیت میں انارکیت کی دلیل بھی بن سکتا ہے۔

ناپائیداری

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز تغیر پذیر ہے—سب کچھ بدلتا رہتا ہے، کوئی حالت دائمی نہیں۔ ''یہ بھی گزر جائے گا۔'' میں اس تصور کو انارکیت کی تائید سمجھتا ہوں، کیونکہ دنیا کی پیچیدگیاں اور مسلسل تبدیلیاں کسی بھی اختیار یافتہ نظام یا بیوروکریسی کی گرفت سے باہر ہیں۔ اقتدار یا ادارے حالات کی بدلتی ہوئی نوعیت کو کبھی مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ جو لوگ خود ان تبدیلیوں کو جیتے اور محسوس کرتے ہیں، وہی دراصل بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ کسی صورتحال سے کس طرح نمٹا جائے۔ جو لوگ اقتدار یا فاصلے کی دیوار کے پیچھے ہیں، ان کی سمجھ ہمیشہ ادھوری رہتی ہے۔

دکھ

بدھ مت کی پہلی عظیم سچائی یہی ہے کہ دکھ موجود ہے اور یہ انسانی تجربے کا لازمی حصہ ہے۔ انارکیت کے لیے یہ دلیل اس طرح سے ہے کہ آج کی دنیا میں دکھ، ظلم اور ناانصافی حد سے زیادہ ہے—اور یہ سب غیر ضروری ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کا خاتمہ ممکن ہے۔

بے خودی یا لا-ذات

وجود کی تیسری جہت لا-ذات ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کوئی مستقل، غیر متغیر ''سیلف'' موجود نہیں۔ جو کچھ ہمیں ''میں'' یا ''خود'' بناتا ہے، وہ دراصل بے شمار حیاتیاتی، سماجی، مادی اور ثقافتی عوامل کا مجموعہ ہے۔ ان سب اثرات کو اگر الگ کر دیا جائے تو کوئی مستقل ذات باقی نہیں رہتی۔

میں *اناتّا* کے تصور کو انارکیت کے اس اصول سے ہم آہنگ دیکھتا ہوں کہ ملکیت، مرتبہ اور اقتدار—سب سماجی تشکیلیں ہیں، حقیقی یا ازلی حقائق نہیں۔ ہر مادی شے جسے کوئی شخص ''اپنی'' سمجھتا ہے، دراصل بے شمار لوگوں کی محنت اور اجتماعی عمل کا نتیجہ ہے۔ ''بادشاہ'' یا ''سیاست دان'' جیسے القابات بھی صدیوں کی اطاعت اور اجتماعی معنویت کی تشکیل سے پیدا ہوئے۔ کوئی خدائی مداخلت نہیں تھی جس نے اقتدار یا سرمایہ داری کو پیدا کیا؛ ہم نے خود یہ نظام تراشے، اور اگر ہم نہ چاہیں تو یہ سب باقی نہیں رہ سکتے۔

بدھ مت کا خلاصہ صرف اس فقرے میں کیا جا سکتا ہے: ''ناپسندیدہ صفات ترک کرو، پسندیدہ صفات پیدا کرو، اور اپنے ذہن کو پاک کرو۔'' اسی طرح اگر انارکیت کا خلاصہ کہا جائے تو یوں ہوگا: ''سرمایہ دارانہ اور ریاستی طریقوں کو ترک کرو، آزاد اور اشتراکی طریقوں کو اپناؤ، اور اپنے ذہن کو غالب نظام کے تسلط آمیز اثرات سے پاک کرو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب عملی طور پر کیسا دکھائی دیتا ہے؟ اور ایک خاص طور پر *بدھ متی انارکیت* کا عملی خاکہ کیا ہو سکتا ہے؟

اس مقصد کے لیے میں نے آٹھ ایسے رجحانات، تحریکوں یا ذیلی ثقافتوں کی نشاندہی کی ہے، جو اگر باہم مربوط کر دیے جائیں تو بدھ متی انارکیت کے عملی قالب کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ خود مختار ہیں اور براہِ راست ''بدھ متی انارکیت'' نہیں کہلاتے، مگر یہ اس کے عملی مظاہر کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

آٹھ دھارے—ایک سمت

عمل انگیز بدھ مت

یہ وہ مقام ہے جہاں بدھ مت اور عملی سیاست ملتے ہیں—جہاں بدھ متی اپنی روحانی تعلیم کو عملی عمل میں ڈھالتے ہیں۔ ''بدھ متی فیلوشپ برائے امن''، ''زین امن پسند''، اور تھک نہت ہان کے سیاسی اور سماجی پیروکار اس کی مثالیں ہیں۔ بدھ متی انارکیت، اپنی فطرت میں، اسی ''عمل انگیز بدھ مت'' کی ایک انقلابی شکل ہے—فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی سیاسی سمت صریحاً انارکیت پر مبنی ہے۔

سبزی خوری، ویگن ازم اور حیوانی آزاد

انسانوں کی طرح جانوروں کو بھی آزادی اور احترام کا حق حاصل ہے — یہی سوچ بدھ متیوں اور انارکسٹوں دونوں میں عام پائی جاتی ہے۔ گوشت نہ کھانا، حیوانی مصنوعات سے پرہیز، یا قید جانوروں کو آزاد کرانے کے عملی اقدامات، سب اسی سوچ کا اظہار ہیں۔ بدھ مت میں یہ جذبہ تمام جانداروں کے لیے "کَرونا" یعنی شفقت کا مظہر ہے — "تمام جاندار آزاد ہوں۔" انارکیت کے لیے یہ جبر و تسلط کے ہر نظام کے خاتمے کی علامت ہے — خواہ وہ انسانوں پر ہو یا جانوروں پر۔

عوامی مراقبہ منصوبہ اور میڈیٹیشن فلیش موب

انارکسٹ عوامی جگہوں کو ریاستی اور نجی تسلط سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں، جبکہ بدھ متی چاہتے ہیں کہ زیادہ لوگ مراقبہ سیکھیں اور کریں۔ ان دونوں کے ملاپ سے "عوامی مراقبہ منصوبہ" وجود میں آتا ہے — ایک ایسا عمل جس میں لوگ کھلے عام، عوامی مقامات پر خاموشی سے مراقبہ کرتے ہیں۔ یہی عمل "میڈیٹیشن فلیش موبز" کی صورت میں بھی کیا جاتا ہے، جہاں لوگ طے شدہ وقت پر ایک ساتھ جمع ہو کر خاموش بیٹھتے ہیں۔ یہ خاموش مزاحمت کا ایک جمالیاتی روپ ہے — جس میں نہ نعرے ہیں، نہ تصادم، صرف سکون، خاموشی اور وقار۔:

دھرم پنکس

انیس سو ستر اور اسی کی دہائی سے انارکزم کے فلسفے اور پنک راک موسیقی کے درمیان ایک گہرا رشتہ قائم رہا ہے۔ انارکسٹ ذیلی ثقافت اور پنک راک ثقافت اکثر ایک دوسرے میں مدغم نظر آتی ہیں۔ مصنفین جیسے نوح لیوائن اور بریڈ وارنر کی تحریروں کے باعث ایک نئی ذیلی ثقافت وجود میں آئی، جسے بدھ متی پنکس یا دھرم پنکس کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تحریک صراحتاً انارکسٹ نہیں، مگر نوح لیوائن کی تحریروں میں اکثر ایسے اشارے ملتے ہیں جن میں ان کے پیش کردہ خیالات کو "انقلابی" اور "شدید طور پر ردِّ نظام" کہا گیا ہے۔ اس ذیلی ثقافت میں خود بدھ کو اکثر "باغی سنت" کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مخصوص ذیلی ثقافت شاید بدھ متی انارکزم کے عملی و فکری فروغ میں سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوئی ہے۔

عدمِ تشدد پر مبنی مکالمہ اور شعوری تبدیلی کی جماعت

خود آگہی یا کی دنیا سے ایک عملی طریقہ سامنے آیا ہے جسے یعنی "عدمِ تشدد پر مبنی ابلاغ" کہا جاتا ہے۔ یہ انسانی تعلقات اور باہمی تنازعات کو سمجھنے، انہیں سلجھانے، ذاتی وضاحت پیدا کرنے اور دوسروں کی حساس سماعت کے لیے ایک فکری و عملی مجموعہ ہے۔ بدھ متی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ کسی حد تک "درست گفتار" کا عملی اظہار ہے۔ انارکسٹ زاویے سے کی اساس ہی غلبے اور اقتدار پر مبنی رشتوں کی نفی پر ہے، اور اسے ان تعلقات کو ختم کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ حال ہی میں سے ایک نئی جماعت ابھری ہے جسے "شعوری تبدیلی کی جماعت" کہا جاتا ہے۔ یہ جماعت سترہ بنیادی عہد والتزامات پر قائم ہے جو اس ذہنی و اخلاقی شعور کا خلاصہ ہیں جسے فروغ دینا چاہتا ہے۔ بین الافرادی تعلقات کے دائرے میں اس کو بدھ متی انارکزم کی عملی مشق کے اوزار اور فریم ورک کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

انقلابی اسٹریٹ ایج

ہارڈ کور پنک ثقافت میں ایک رجحان پایا جاتا ہے جسے "انقلابی سیاسی اسٹریٹ ایج" کہا جاتا ہے۔ اس میں ایسے افراد شامل ہوتے ہیں جو پنک موسیقی سے وابستہ ہیں، بیک وقت انقلابی سیاسی نظریات رکھتے ہیں اور ہر قسم کی شراب نوشی، نشہ آور اشیاء اور مدہوشی سے پرہیز کرتے ہیں۔ بدھ مت کی اخلاقیات میں ایک بنیادی عہد یہ ہے کہ سالک ہر قسم کی مدہوشی سے اجتناب کرے۔ اس زاویے سے دیکھا جائے تو "انقلابی اسٹریٹ ایج" کو بدھ متی انارکزم کے راستے پر ایک اہم ثقافتی قدم سمجھا جا سکتا ہے۔

بدھ متی لادینیت اور تنقیدی بدھ مت

مصنف اسٹیفن بیچلر، جو تبتی اور زین دونوں روایتوں میں بدھ راہب تھے اور اپنی راہبانہ زندگی ترک کر چکے ہیں۔ وہ اب "بدھ متی لادینیت" کے تصور پر لکھ رہے ہیں۔ اس نقطۂ نظر میں بدھ مت کے تمام ماورائی عناصر، جیسے تناسخ، دیوتاؤں اور مختلف عوالم کے تصورات کو رد کر دیا گیا ہے تاکہ بدھ مت کو محض ایک عملی اور فکری راہ کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ اسی نوع کی کاوش جاپان میں "تنقیدی بدھ مت" کے نام سے سامنے آئی ہے، جس کا مقصد بدھ متی عقائد کی جدید تعبیر و تجدید ہے تاکہ وہ معاصر انسان کے فکری و عملی حالات سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ چونکہ زیادہ تر انارکسٹ نظریاتی طور پر لادین ہوتے ہیں — یعنی "نہ خدا، نہ حاکم" — اس لیے بدھ مت کی یہ جدید تعبیرات بدھ متی انارکزم کے لیے زیادہ موزوں ثابت ہو سکتی ہیں۔

تحفے کی معیشت

یہ ایک ایسا معاشی نظام ہے جس میں تمام اشیاءاور خدمات تحفے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ یہاں کوئی قیمت، خرید و فروخت یا لین دین کا تصور نہیں ہوتا۔ ہر چیز بلا شرط اور بلا عوض پیش کی جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی کو بدلے میں کچھ دیتا بھی ہے تو وہ بھی ایک تحفہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ ادائیگی یا معاوضہ۔ انارکسٹ اور بدھ مت دونوں حلقوں میں متعدد تقریبات اور منصوبے ایسے ہیں جو اس اصول پر چلتے ہیں۔ بدھ متی روایت میں یہ عمل *دانا پرامیتا* یعنی ''سخاوت'' کی فضیلت سے جڑا ہوا ہے۔ جبکہ انارکسٹ نقطۂ نظر سے یہ تصور ایک آزاد اور مساوی معاشرے —یعنی انارکسٹ کمیونزم— کی بنیاد بن سکتا ہے۔ تحفے کی معیشت میں اب بھی بے شمار امکانات پوشیدہ ہیں جن کی کھوج باقی ہے۔

آزادی کے لیے ترکِ وابستگی

شاید بدھ مت کا سب سے جامع اور بامعنی خلاصہ وہ قول ہے جو گوتم بدھ سے منسوب کیا جاتا ہے: "کسی بھی شے سے وابستہ نہیں ہونا چاہیے۔" چیزوں کے اس تصور سے چمٹے رہنا کہ دنیا کیسی *ہونی چاہیے*، کیا *ہونا چاہیے*، یا لوگ کیا *کرنا چاہیے* سب دکھ کے یقینی اسباب میں سے ہیں۔ اسی طرح، انارکسٹوں کے لیے بھی اس بات سے چمٹے رہنا کہ دنیا کو کس شکل میں ہونا چاہیے، منصوبے کس طرح انجام دیے جائیں، یا نظریاتی پاکیزگی اور شناخت کے خیالات— اکثر شدید تکلیف اور اختلاف کا باعث بنتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ بدھ مت کی جانب سے انارکیت کے لیے سب سے بڑی عطا وہ ذہنی سکون ہے جو وابستگی (چمٹے رہنا) ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان وابستگی سے آزاد ہو جاتا ہے تو اضطراب، گھبراہٹ اور دوستوں/کامریڈوں پر مطالبات مسلط کرنے کا رجحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، منصوبے سکون، وضاحت اور باطنی کشادگی کے ساتھ انجام پاتے ہیں— اور یہی کیفیت اُس دنیا کے لیے بنیاد فراہم کر سکتی ہے جس میں ہم جینا چاہتے ہیں۔

ذمہ داری کا اختیار

یہ سب کہنے کے بعد میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ انارکیت اور بدھ مت ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ یہ دو علیحدہ روایات ہیں— مگر ایسی جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں، بالکل ایسے جیسے سکے کے دو رُخ، جن کے امتزاج سے حقیقی اور کامل آزادی کا تصور جنم لیتا ہے۔ بدھ متی انارکیت ایک نیا تصور ہے، اگرچہ اس کی جڑیں نہایت قدیم ہیں۔ میری تمنا یہ ہے کہ میری یہ تحریر اس نئے تصور کے لیے مزید فکری و عملی فضا فراہم کرے تاکہ یہ آگے بڑھ سکے۔ دونوں روایتیں— بدھ مت اور انارکیت— ایک بنیادی نکتے پر متحد ہیں: ذمہ داری۔ یعنی ہر فرد اپنی ذات اور اپنے اعمال کی مکمل ذمہ داری قبول کرے۔ بدھ متی انارکیت کے فلسفے اور عملی شکل کے مستقبل کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ خیال پھلے پھولے، آگے بڑھے یا ارتقا پائے، تو اس کی ذمہ داری ہم پر ہی عائد ہوتی ہے۔ آخر کار، ہر معاملے کی طرح، فیصلہ ہمیشہ ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے

بدھ متی انارکیت کی عملی صورت

اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ بدھ متی انارکیت کو عملی زندگی میں کیسے برتا جا سکتا ہے تو ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ اس کا تعلق محض کسی نظریہ یا فلسفے سے نہیں بلکہ طرزِ زیست سے ہے— ایک ایسا طرزِ حیات جو شعور، رحمت، آزادی اور باہمی احترام پر قائم ہو۔ بدھ متی انارکیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کسی نئے مذہب یا سیاسی نظام کو اختیار کر لیں، بلکہ یہ ہے کہ ہم اپنے رویّوں، تعلقات اور روزمرّہ کے عمل میں وہی اقدار مجسّم کریں جو ہم دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

یہ عمل دراصل *سیلا* (اخلاقی نظم)، *سمادھی* (ذہنی استحکام) اور *پرجنیا* (تجربی حکمت)— ان تینوں بنیادوں کو اجتماعی اور عملی صورت میں مجسّم کرتا ہے۔ یعنی ہم نہ صرف اپنی ذات میں ان اصولوں کو اپنائیں بلکہ اپنے ارد گرد کے سماجی ڈھانچوں میں بھی ان کی جھلک پیدا کریں۔

عملی طور پر اس کا مطلب ہے کہ ہم ایسے تعلقات استوار کریں جہاں کوئی بالادست نہ ہو؛ ایسے معاشی طریقے اپنائیں جو تحفے، اشتراک اور سخاوت پر مبنی ہوں؛ ایسی سیاست کریں جو جبر اور اطاعت کے بجائے خود تنظیمی اور اجتماعی شعور پر استوار ہو؛ اور ایسا طرزِ حیات اختیار کریں جو اندرونی سکون، ذہنی آزادی اور باہمی ہمدردی سے لبریز ہو۔

بدھ متی انارکیت دراصل ایک *زندہ مراقبہ* ہے— ایسا مراقبہ جو محض خاموش بیٹھنے کا نام نہیں، بلکہ ایک باشعور اور ہمدرد طرزِ زندگی ہے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جو تشدد، ملکیت، لالچ، امتیاز اور اقتدار کے جال سے خود کو آزاد کرتی ہے۔ اس میں آزادی محض سیاسی یا معاشی نہیں بلکہ روحانی بھی ہے— اندر اور باہر دونوں سطحوں پر۔

یہی وہ مقام ہے جہاں *بدھ مت* اور *انارکیت* ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک طرف بدھ مت کہتا ہے کہ انسان اپنے ذہن کی زنجیروں سے آزاد ہو، دوسری طرف انارکیت کہتی ہے کہ انسان سماجی و سیاسی زنجیروں سے نجات پائے۔ بدھ متی انارکیت ان دونوں آزادیوں کو ایک وحدت میں ضم کر دیتی ہے— تاکہ اندرونی سکون اور بیرونی آزادی ایک دوسرے کا تکملہ بن جائیں۔

یہ کوئی خواب یا مجرد نظریہ نہیں، بلکہ ایک مسلسل عمل ہے— ایسا عمل جو ابھی سے شروع ہوتا ہے، ہر تعلق، ہر فیصلہ، ہر لمحے میں۔ ہم جب کسی پر جبر نہیں کرتے، جب ہم کسی محتاج کے ساتھ فیاضی سے پیش آتے ہیں، جب ہم سچ بولنے کے ساتھ نرمی برتتے ہیں، جب ہم اپنے خوف کو قابو میں رکھتے ہیں، تو ہم دراصل اسی دنیا کی بنیاد رکھ رہے ہوتے ہیں جس کا خواب بدھ متی انارکیت دیکھتی ہے۔